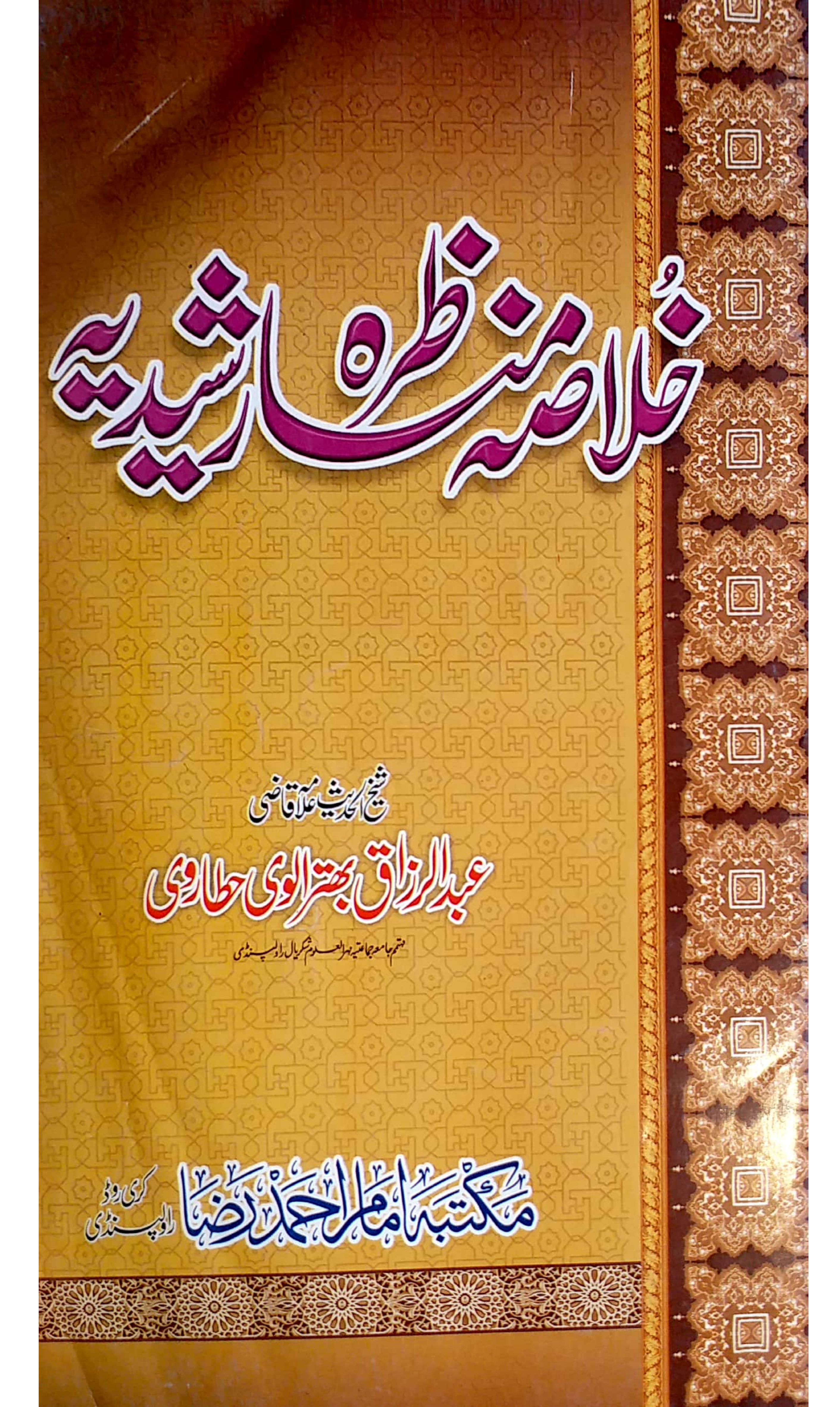

خلاصہ مناظرہ رشیدیہ
شیخ الحدیث علامہ قاضی
عبدالرزاق بھترالوی حطاروی
مہتمم جامعہ جماعتیہ مہر العلوم ٹکریال راولپنڈی
مکتبہ امام احمد رضا
کری روڈ راولپنڈی

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں فری حاصل کرنے کے لیئے

ٹیلیگرام چینل لنک

https://t.me/tehqiqat

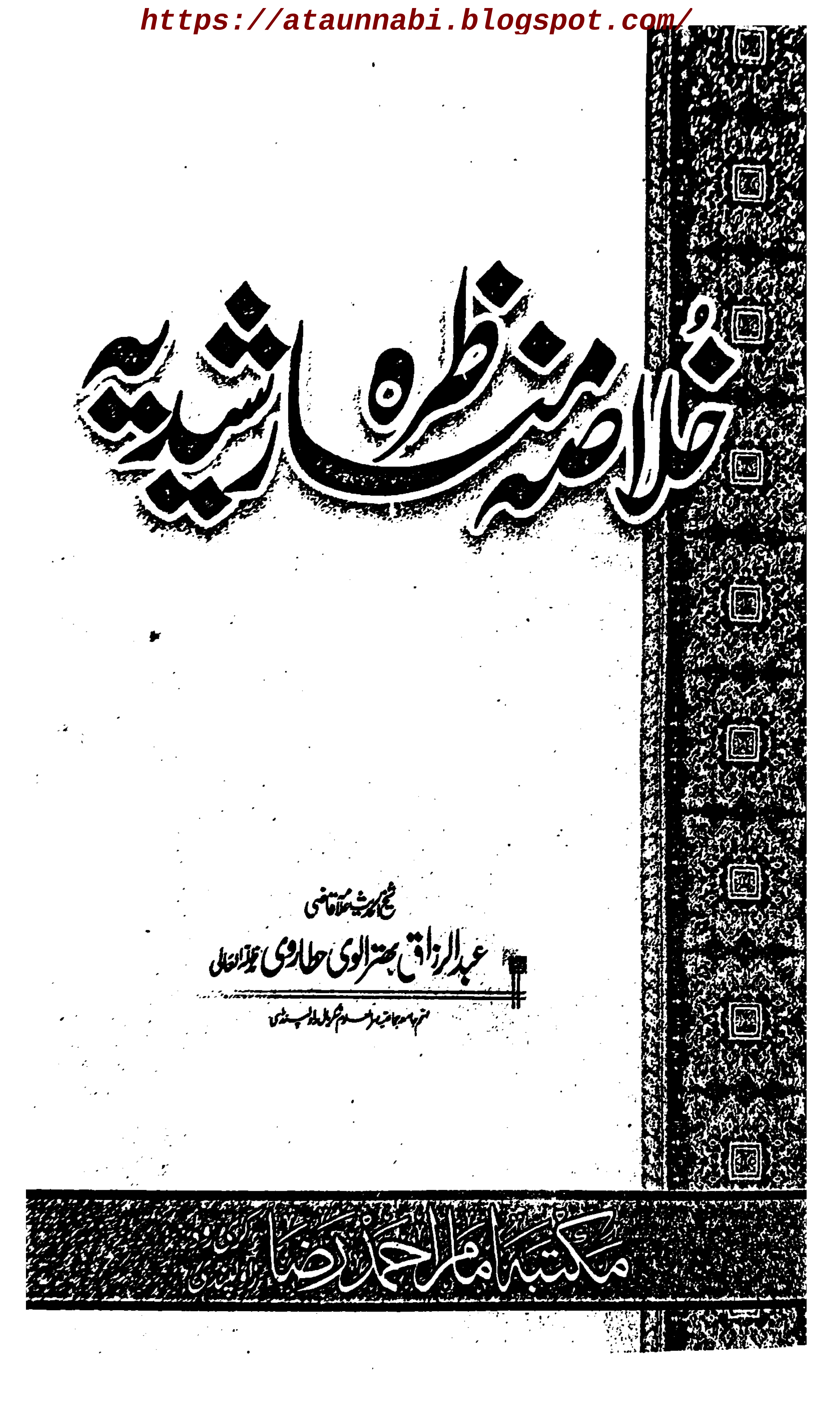
آرکائیو لنک

https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

بلوگسپوٹ لنک

https://ataunnabi.blogspot.com/?m=1

طالب دعا ۔ زوہیب حسن عطاری


خلاصہ مناظرہ رشیدیہ
شیخ الحدیث مولانا قاضی
عبدالرزاق بھترالوی حطاروی مدظلہ العالی
مکتبہ امام احمد رضا

اشاعتی ضابطہ — کل الحقوق محفوظۃ

نام کتاب — **خلاصہ مناظرہ رشیدیہ**

مصنف — محقق العصر شیخ الحدیث علامہ عبدالرزاق بھترالوی مدظلہ العالی

کمپیوٹر گرافکس — محمد اسحاق ہزاروی

کمپوزنگ — مہر العلوم کمپوزنگ سینٹر، شکریال۔راولپنڈی

ناشر — **مکتبہ امام احمد رضا** کری روڈ۔راولپنڈی
E.mail:mehrul.uloom@yahoo.com

شاکست — ضیاء العلوم پبلی کیشنز۔راولپنڈی

ملنے کے پتے

- اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی
- احمد بک کارپوریشن، راولپنڈی
- مکتبہ قادریہ، داتا دربار۔لاہور
- اہل السنۃ پبلی کیشنز، دینہ۔جہلم
- مکتبہ غوثیہ، کراچی

﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾

الحمد للہ الذی لا مانع لحکمہ ولا ناقض لقضائہ والصلوۃ علی سید انبیائہ وسند اولیائہ وعلی احبابہ المعارض لأعدائہ.

نام کتاب: مناظرہ رشیدیہ۔

مناظرہ رشیدیہ کے متن کا نام: شریفیہ۔

ماتن کا نام:

میر سید شریف جرجانی۔

مناظرہ رشیدیہ کا اصل نام:

الجامع للاداب ای شرح الشریفیہ.

شارح مناظرہ رشیدیہ کا نام:

عبد الرشید دیوان المتوفی ۱۰۷۳ھ

مناظرہ کی تعریف:

"المناظرۃ توجہ المتخاصمین فی النسبۃ بین الشیئین اظہار للصواب"

مناظرہ اسے کہا جاتا ہے کہ دو متخاصم (کسی مسئلہ میں جھگڑا کرنے والے) دو چیزوں کے درمیان درست وجہ کے اظہار کیلئے متوجہ ہوں۔ ہر ایک شخص کا مطلب علیحدہ ہوگا تب ہی مناظرہ ہوگا۔ دو چیزوں سے مراد محکوم علیہ اور محکوم بہ۔ ان کے درمیان پائی جانے والے نسبت عام ہے خواہ نسبت حملی ہو یا شرطی اتصالی ہو یا شرطی انفصالی ہو اظہار ثواب کے مقصد کے بغیر مناظرہ نہیں۔ ورنہ "اظہار اللصواب" کی قید کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

مناظرہ کا موضوع:

"الادلۃ من حیث انھا تثبت المدعی علی الغیر" یعنی مدعی اپنے دعوی پر غیر پر دلائل قائم کرے۔ اسے علم مناظرہ کا موضوع کہا جاتا ہے۔

مناظرہ کی غرض:

"صيانة الذهن عن الخطاء في الوصول الى المطلوب"

ذہن کو مطلوب تک پہنچنے میں غلطی سے بچانا علم مناظرہ کی غرض ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ درست راہ کو پانا علم مناظرہ کہنے کی غرض ہے۔

مناظرہ کی وجہ تسمیہ:

یعنی مناظرہ کو مناظرہ کہنے کی وجہ کا ذکر۔(۱) ایک وجہ یہ ہے کہ مناظرہ ماخوذ ہے نظیر سے۔

اعتراض: نظیر صفت مشبہ ہے۔اس سے مناظرہ کس طرح مشتق ہے؟ یہ قول تو درست نظر نہیں آتا۔

جواب: یہاں مناظرہ کا نظیر سے مشتق ہونا حقیقی اشتقاق مراد نہیں۔ بلکہ مجازی اشتقاق مراد ہے وہ یہ ہے کہ نظیر اور مناظرہ دونوں ایک چیز یعنی نظر سے مشتق ہیں۔اس لحاظ پر مجازی طور پر یہ بیان کر دیا کہ" مناظرہ" مشتق ہے"نظیر" سے۔جب یہ کہا مناظرہ مشتق ہوتا ہے نظیر سے، اس میں اشارہ کر دیا کہ دونوں مناظر ایک دوسرے کے مماثل ہوں۔ایک بڑا عالم، بلند درجہ با کمال ،اور دوسرا انتہائی درجہ کا کم علم اور نقصان میں نہ ہو۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے، کہ مناظرہ مشتق ہے نظر سے۔اس میں پھر دو صورتیں، ایک یہ کہ نظر کا معنی دیکھنا ہو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا دونوں مناظر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں یہ عام مناظرین کی بات ہے اگر مناظرین تزکیہ نفس کی وجہ سے صرف توجہ سے ایک دوسرے سے مناظرہ کریں جیسے اشراقی علماء کا طریقہ تھا تو ان کا ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہونا ضروری نہیں تھا۔دوسری صورت یہ ہے کہ نظر بمعنی تامل کے ہو۔اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مناظر بات کہنے سے پہلے تامل کرے یعنی غور وفکر کرے، پھر بات کرے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ مناظرہ بمعنی انتظار کے ہو، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ایک مناظر دوسرے کے کلام کے ختم ہونے کی انتظار کرے، وہ اپنی بات ختم کر لے تو یہ اپنی بات کو شروع کرے، اس کی بات کے درمیان ہی اپنی بات کو شروع نہ کر لے۔

(۴) مناظرہ مشتق ہو نظر سے لیکن معنی ہو مقابل ہونا۔اس صورت میں مناظرہ کا معنی ہوگا

ہر مناظر کا ایک دوسرے کے مقابل ہونا لیکن یہ معنی اور ایک دوسرے کو دیکھنے والا معنی قریب قریب ہیں۔

مشہور تعریف سے مصنف نے عدول کیا ہے۔

وہ مشہور تعریف یہ ہے۔

"النظر من الجانبین فی النسبۃ بین الشیئین اظہارا للصواب"

دونوں جانبوں سے دو چیزوں کے درمیان نسبت میں نظر کرنا اظہار صواب کیلئے۔

وجہ عدول:

مصنف نے مشہور تعریف سے عدول اس لئے کیا ہے کہ نظر کا اصطلاحی معنی یہ ہے کہ امور معلومہ کو ترتیب دینا تا کہ اس سے مجہول حاصل ہو جائے۔ جب سائل صرف منع پر اقتصار کرے تو وہاں نظر نہیں پائی جاتی۔ دوسری وجہ عدول کی یہ ہے کہ جانبین کا لفظ عام ہے جو متخاصمین اور غیر متخاصمین کو شامل ہے جیسے متعلم اور معلم کو بھی شامل ہے۔

پہلی وجہ عدول کا جواب ممکن ہے کہ یہاں اس تعریف میں نظر کا معنی ہم امور معلومہ کی ترتیب دینا نہیں لیتے بلکہ یہ مراد لیتے ہیں "التفات النفس الی المعانی" دوسری وجہ عدول کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ جانبین کا معنی عام ہے لیکن عرف میں عام طور پر اس کا معنی متخاصمین ہی لیا جاتا ہے۔ اگرچہ جوابات تو ممکن تھے لیکن مصنف نے وہ تعریف کی جس پر اعتراض وارد نہ ہو سکیں۔

اعتراض: کبھی دونوں مناظر درست راہ کو نہیں پا سکتے، بلکہ ان کے دلائل ایک دوسرے کے مخالف ہی رہتے ہیں، تو "اظہارا للصواب" کہنا کس طرح درست ہے؟

جواب: یہ ضروری نہیں کہ ایک کام جس مقصد کیلئے کیا جائے وہ حاصل بھی ہو جائے، مقصد مناظرہ اظہار صواب ہو حاصل ہو یا نہ ہو۔

مصنف کی تعریف چار علتوں پر مشتمل ہے؟

"توجہ" علت صوریہ ہے اور متخاصمین علت فاعلیہ ہے اور نسبت علت مادیہ ہے۔ اور اظہار صواب علت غائیہ ہے۔ "اظہار الصواب" کی قید سے مجادلہ اور مکابرہ نکل گئے، ان کو

مناظرہ نہیں کہا جاتا۔ اسلئے اب اس کے بعد مجادلہ اور مکابرہ کی تعریف کی جارہی ہے۔

مجادلہ:

یہ منازعت (جھگڑا) ہے جس میں اظہار صواب نہیں پایا جاتا بلکہ خصم پر الزام لگایا جاتا ہے۔

اعتراض: مجادلہ باب مفاعلہ سے جو شرکت جانبین کو چاہتا ہے یہ درست نہیں جبکہ مجادل ایک ہو دوسرا مناظر یا مکابر ہو۔

جواب: یہاں شرکت جانبین نہیں پائی گئی۔ جیسے عاقبت اللص میں شرکت نہیں پائی گئی اسلئے ایک طرف مجادل ہو دوسری طرف مناظر یا مکابر ہو تو مجادلہ کی تعریف اس پر بھی آئے گی۔ پھر قاعدہ تغلیب کا لحاظ کریں تو پھر بھی یہی جواب ہے کہ مجادلہ کو مناظرہ اور مکابرہ پر غالب کرتے ہوئے ایک طرف سے مجادلہ مراد لیا جاسکتا ہے۔

مجادلہ کی ایک صورت یہ ہے:

کہ مجادل جواب ذکر کرتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ غیر پر الزام نہ آئے اگرچہ سائل کی کوشش ہوتی ہے غیر پر الزام کی۔

مجادلہ کی ایک اور صورت یہ ہے:

سائل اور مجیب مجادل ہوتے ہیں۔ اسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے "المجادلۃ ھی المنازعۃ" یہ الفاظ مشارکت پر دلالت کرتے ہیں مجادلہ کی ایک اور صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک (خواہ سائل ہو یا مجیب ہو) مجادل ہو اور دوسرا غیر مجادل ہو تو تغلیبا اس پر مجادلہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اگرچہ مشارکت نہیں پائی۔

مکابرہ:

یہ جھگڑا ہوتا ہے، اس میں اظہار صواب نہیں ہوتا، لیکن خصم پر الزام بھی نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کے سامنے وہ اپنے جھگڑے سے اپنی علمیت کا اظہار کرتا ہے یا اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔

اعتراض: مصنف نے ذکر کیا ہے "الا انہ لا لالزام الخصم ایضا" انہ میں مذکر

ضمیر " مکابرۃ " کی طرف لوٹ رہی ہے اور اس میں تاء تانیث پائی گئی ہے، مذکر کی ضمیر کا مؤنث کی طرف لوٹنا کیسے صحیح ہے؟

جواب: مکابرۃ" میں تاء تانیث کی نہیں بلکہ تاء مصدریت کی ہے۔ مصدر میں تذکیر و تانیث برابر ہیں۔ حقائق الاشیاء تعرف باضدادھا کے قانون کے مطابق پہلے مناظرہ کی تعریف کی گئی، پھر اس کی دو ضدوں یعنی مجادلہ اور مکابرہ کی تعریف بیان کی۔

نقل دلیل سے بہتر ہے:

کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ یا ثقہ اہل علم کے اقوال سے عبارت کو نقل کر کے پیش کرنا اپنی طرف سے دلیل قائم کرنے سے بہتر ہے۔ خصوصا ہمارے زمانہ میں جب جھگڑے زیادہ پائے جاتے ہیں تو نزاع سے بچنے کیلئے نقل عبارات و دلیل سے بہتر ہے۔

نقل کی تعریف:

نقل کا مطلب یہ ہے کہ غیر کا قول پیش کرنا۔ بعینہ بالفاظہ پیش کرنا زیادہ بہتر ہے تاہم اپنے الفاظ سے اس کے معنی کو پیش کرنا بھی جائز ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کا مفہوم نہ بدلنے پائے لیکن یہ واضح ہو کہ یہ غیر کا قول ہے۔ تو اس وقت اسے نقل کہا جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کہے مثلا "قال ابو حنیفة رحمه الله النية فی الوضوء لیست بفرض" امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا نیت وضوء میں فرض نہیں۔

اقتباس:

جب کوئی شخص غیر کا قول پیش کرے لیکن یہ ظاہر نہ کرے نہ صراحۃ، نہ اشارہ، نہ ضمنا اور نہ کنایۃ کہ یہ قول غیر کا ہے۔ مقتبس کو اہل مناظرہ کی اصطلاح میں مدعی کہتے ہیں۔ یعنی مجیب نہیں۔

تنبیہ:

متخاصمین سے کوئی ایک اقوال علماء سے قول نقل کرے، اگر وہ واقع کے مطابق ہو اور دوسرے کو بھی معلوم ہو تو اس کی تصحیح کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا بلکہ طلب تصحیح کرنے والا مکابر یا مجادل کہلائے گا، ہاں اگر دوسرے کو معلوم نہ ہو تو پھر اس کیلئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ تصحیح طلب

کرے۔

تصحیح نقل کی تعریف:

"هو بيان صدق نسبته مانسب الى المنقول عنه" جو قول نقل کیا گیا ہو اسے منقول عنہ کی طرف منسوب ہونے کو ثابت کیا جائے کہ واقعی یہ فلاں کا قول ہے۔

مدعی کی تعریف:

والمدعى من هذا نصب نفسه لاثبات الحكم بالدليل أو التنبيه" مدعی اسے کہا جاتا ہے جو اپنے آپ کو اثبات حکم کیلئے قائم کرے۔ آسان لفظوں میں ایک شخص جو اپنا مدعی پیش کرے وہ مدعی ہے اور اگر حکم نظری ہو تو مدعی اس پر دلیل قائم کرے، اور حکم بدیہی غیر اولی ہو تو اس پر تنبیہ پیش کرے۔

اعتراض: مصنف نے بیان کیا ہے" لاثبات الحكم بالدليل أولتنبيه" دلیل سے تو حکم ثابت ہوتا ہے لیکن تنبیہ سے تو حکم ثابت نہیں ہوتا، تنبیہ کو کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب: لاثبات الحکم کی ایک صورت تو یہی ہے کہ حکم کو دلیل سے ثابت کیا جائے، لیکن دوسری قسم یہ ہے" لاثبات تمكين الحكم " اس میں تنبیہ کا ذکر صحیح ہے۔ یعنی تنبیہ کے ذریعے حکم ذہن میں بٹھایا جائے یعنی ذہن میں متمکن کیا جائے اگرچہ وہ حکم بدیہی ہونے کی وجہ سے ثابت پہلے ہوتا ہے۔

تنبیہ:

مدعی اگر اپنے دعوی کو دلیل لمی سے ثابت کرے تو اسے معلل کہتے ہیں اور اگر دلیل انی سے ثابت کرے تو اسے مستدل کہتے ہیں۔ لیکن کبھی اس سے قطع نظر مدعی کو کبھی معلل کہا جاتا ہے، کبھی مستدل خواہ دلیل لمی ہو یا انی ہو۔

سائل کی تعریف:

والسائل من نصب نفسه لنفيه" سائل اسے کہتے ہیں جو اپنے آپ کو نفی حکم پر قائم کرے، یعنی مدعی جب دعوی کرے لیکن اس پر دلیل قائم نہ کرے تو سائل اس کے حکم کی نفی کر

دے، لیکن یہ تعریف صرف مناقض پر ہی آتی ہے، ہاں کبھی سائل کی تعریف عام کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے" کل من تکلم علی ماتکلم به المدعی" مدعی کے خلاف کوئی کلام بھی کرے اس سائل کہا جاتا ہے۔ اس تعریف کے لحاظ سے مانع، مناقض اور معارض سب کو سائل کہا جائے گا۔

دعوی کی تعریف:

ایسا قضیہ جو مشتمل ہو حکم پر جیسے کل کا اشتمال جزء پر ہوتا ہے۔ خواہ دلیل سے ثابت کیا جائے یا تنبیہ کے ذریعے اظہار کیا جائے۔

اعتراض : حکم کبھی بدیہی ہوتا ہے نہ اس پر دلیل قائم ہوتی ہے اور نہ ہی تنبیہ۔ اس لحاظ پر حکم کی تعریف جامع نہیں؟

جواب: حکم جب بدیہی اولی ہو تو وہ اصطلاح مناظرہ میں متحقق نہیں اور اس کا مناظرہ انکار نہیں کرتا بلکہ صرف مجادل یا مکابر ہی انکار کرتا ہے۔ اسلئے یہاں اس حکم اور دعوی کی تعریف کی جارہی ہے جو مناظرہ میں استعمال ہوتا ہے۔ مطلقاً حکم کی تعریف نہیں۔

دعوی کے اور نام:

مسئلہ، مبحث، نتیجہ، قاعدہ اور قانون۔

جب یہ لحاظ کیا جائے کہ اس کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو اس حکم کو مسئلہ کہا جاتا ہے اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ اس حکم میں بحث کی جاتی ہے تو اسے مبحث کہا جاتا ہے۔ اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ یہ حکم دلیل کے اوپر مرتب ہے تو اسے نتیجہ کہا جاتا ہے اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ یہ حکم قانون کلی یا قاعدہ کلیہ سے حاصل ہوا تو دلیل حکم کو قانون و قاعدہ کہا جائے گا۔

مطلوب دعوی سے عام ہوتا ہے:

مطلوب کبھی تصوری ہوتا ہے جس طرح ماہیت انسان یہ مطلوب تعریف سے حاصل ہوتا ہے اور کبھی تصدیقی ہوتا ہے وہ دلیل سے حاصل ہوتا۔

دعوی کا نام کبھی مطلب ہوتا ہے:

اس لحاظ پر بھی یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ یہ مقام طلب ہے، یعنی موضع الطلب کی وجہ سے اسے "مَطلب" (بفتح المیم ظرف) کہا گیا ہے۔ کبھی دعوی کو "مِطلب" (بکسر المیم) کہا جاتا ہے، یعنی آلہ طلب۔ مطلب کے ذریعے تصورات کو طلب کیا جاتا ہے یا تصدیقات۔ طلب تصورات کیلئے لفظ "ما" استعمال ہوگا، جیسے کہا جائے "الانسان ماھو" اور طلب تصدیقات کیلئے لفظ "ھل" استعمال ہوگا، جیسے کہا جائے "ھل العالم حادث" مطلوب تصوری کا اکتساب ہوتا ہے تعریف کے ذریعے۔ اور مطلوب تصدیقی کا اکتساب ہوتا ہے دلیل کے ذریعہ تصورات مقدم ہیں تصدیقات پر۔ اسلئے تعریف کو پہلے ذکر کیا جارہا ہے۔

تعریف کی دو قسمیں ہیں:

- حقیقی
- لفظی

تعریف حقیقی:

یہ ہے کہ تعریف کے ذریعے صورۃ غیر حاصلہ کو حاصل کرنے کا ارادہ پایا جائے۔

پھر تعریف حقیقی کی دو قسمیں ہیں:

- بحسب الحقیقۃ
- بحسب الاسم

اگر صورۃ غیر حاصلہ کے وجود کا علم حاصل ہو جائے بحسب الحقیقۃ تو اسے "تعریف حقیقی بحسب الحقیقۃ" کہا جائے گا اگر وجود کا علم حاصل نہ ہو تو اسے بحسب الاسم کہا جائے گا۔

تعریف لفظی:

یہ ہے یہ ایک لفظ کے مدلول کی دوسرے واضح لفظ سے تفسیر بیان کی جائے تعریف کے ذریعے یا تو صورت غیر حاصلہ کو حاصل کیا جائے گا۔ یا صورت حاصلہ کو دوسری چیزوں سے ممتاز کیا جائے گا پہلی تعریف حقیقی اور دوسری لفظی ہے۔

تعریف لفظی کی مثال:

الغضنفر الاسد۔ دونوں لفظوں کا معنی شیر ہے۔ غضنفر کم مشہور ہے اور اسد زیادہ مشہور

ہے۔ غیر مشہور لفظ سے تعریف کردی گئی۔

تعریف بحسب الحقیقۃ کی مثال:

جس طرح انسان کی تعریف کرے " الحیوان ناطق " سے، اس تعریف سے ذہن میں صورت غیر حاصل ہوگئی جس کے وجود نفس الامری کا بھی پتہ چل گیا، یہ تعریف بحسب الحقیقۃ ہے۔

تعریف بحسب الاسم کی مثال:

جیسے کلمہ کی تعریف کریں " الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد " یعنی مفہومات اعتباریہ کی اصطلاحی تعریفیں "تعریف بحسب الاسم" کہلاتی ہیں۔

اعتراض : تعریف حقیقی کی دو قسمیں بنانا ایک بحسب الحقیقۃ اور دوسری " بحسب الاسم یہ تقسیم الشی الی نفسہ والی غیرہ "لازم آرہی جو جائز نہیں۔ کیونکہ حقیقی اور بحسب الحقیقۃ ایک چیز کا نام ہے۔

جواب: حقیقی عام ہے اور بحسب الحقیقۃ خاص ہے، دونوں متحد نہیں کہ اعتراض وارد ہو، اسلئے کہ حد حقیقی وہ ہے جو ماہیت شی کی معرفت کا فائدہ دے وہ عام ہے کہ ماہیت موجود ہو یا نہ ہو، اور جو بحسب الحقیقۃ ہے وہ معرفت حقیقیہ موجودہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور جو بحسب الاسم ہے وہ معرفت حقیقت اعتباریہ کا فائدہ دیتی ہے۔ اب اعتراض مکمل طور پر مندفع ہوگیا کیونکہ ہر مقسم اپنی قسموں سے عام ہوتا ہے اور اس کی قسمیں خاص ہوتی ہیں۔

شیخ ابن حاجب نے تعریف:

لفظی میں ذکر کیا ہے "بلفظ اظہر مرادف"

اعتراض : تعریفات وجود لفظیہ مرکبہ ہوتی ہیں۔ مرکب کو ترادف سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ ترادف اوصاف مفرد سے ہے۔ اسلئے تعریف لفظی میں ابن حاجب کا لفظ مرادف ذکر کرنا درست نہیں۔

جواب: جب ایک لفظ کی تمیز الفاظ مرکبہ سے کی جائے اور ان الفاظ مرکبہ کی علیحدہ علیحدہ تفصیل کا ارادہ نہ کیا جائے بلکہ المجموع من حیث المجموع مراد ہو تو اسے حکما مرادف کہا جا سکتا

ہے۔لیکن مصنف نے ابن حاجب کی تعریف پر اعتراض پھر اس کے جواب میں تکلفات کو دیکھ کر عدول کیا ہے۔

دلیل کی تعریف:

"والدلیل هو المرکب من قضیتین للتادی الی مجهول نظری"

دلیل اسے کہا جاتا ہے جو دو (معلوم) قضیہ سے مرکب ہو اور مجہول نظری تک پہنچائے یہ تعریف دوسری مشہور تعریف سے اولی ہے۔اور وہ یہ ہے "ما یلزم من العلم به العلم بشیء آخر" (ایک چیز سے دوسری چیز کا علم آجائے) کیونکہ لازم بینہ میں لازم سے ملزوم کا علم حاصل ہو جاتا ہے لیکن اسے معرف نہیں کہا جاتا۔اگر چہ اس کا جواب تو ممکن ہے کہ ہماری مراد علم تصدیق ہے کہ معلومات تصدیقیہ سے مجہول تصدیقی کا علم حاصل ہو جائے بطور نظر و فکر۔لیکن پھر بھی یہ تعریف تکلفات پر مبنی ہونے کی وجہ سے مصنف نے ذکر نہیں کی۔ماتن کی تعریف میں قضیتین سے مراد ما فوق الواحد ہے۔خواہ دلیل دو قضیہ سے مرکب ہو یا زیادہ سے۔

تنبیہ:

تعریف جو بیان کی گئی وہ حکماء کے نزدیک ہے۔اصول فقہ والوں کے نزدیک دلیل اسے کہا جاتا ہے "هو ما یمکن التوصل بصحیح النظر فی أحواله الی مطلوب خبری" یعنی ایک چیز کے احوال میں صحیح نظر کے ذریعے مطلوب خبری تک پہنچنا۔مثلاً "عالم" کے احوال میں جو صحیح نظر کرے اور یہ کہے کہ "العالم متغیر و کل متغیر حادث" تو وہ کہے گا "العالم حادث" یعنی اصول فقہ والوں کے نزدیک "عالم" دلیل ہے اور حکماء کے نزدیک دونوں قضیے یعنی "العالم متغیر و کل متغیر حادث" دلیل ہیں۔

تنبیہ اور دلیل میں فرق:

دو قضیہ سے مرکب عبارت اگر بدیہی غیر اولی میں واقع خفاء کو زائل کرنے کیلئے ذکر کیا جائے تو اسے تنبیہ کہا جائے گا۔اور اگر دو قضیہ سے مرکب معلوم تصدیقی سے مجہول تصدیقی حاصل ہو جائے جب وہ یقین کے درجہ میں ہو تو سے دلیل کہا جائے گا۔اور اگر ظن حاصل ہو تو

اسے "امارة" کہا جائے گا زیادہ درست بات یہ ہے کہ یقین یا ظن کا فرق نہ کیا جائے بلکہ مطلقا یہ کہا جائے کہ دو قضیہ سے مجہول کی طرف انتقال صحیح ہو جائے تو وہ دلیل ہے۔

مصنف نے دلیل کی تعریف میں لفظ شیٔ کا ذکر نہیں کیا اس کی وجہ کیا ہے؟

متقدمین کی تعریف میں لفظ شیٔ آیا ہوا ہے۔ وہ یوں تعریف کرتے ہیں "ما یلزم من العلم به العلم بشیٔ آخر" مصنف کے ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مشہور یہ ہے کہ "شیٔ" کہا جاتا ہے موجود کو" حالانکہ مدلول کبھی عدمی ہوتا ہے، عدمی مدلول کو وہ تعریف شامل نہیں، جس میں لفظ شیٔ ذکر ہو اگر چہ اس کا جواب تو دیا جا سکتا ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ شیٔ کا معنی یہ ہے " الشیٔ ما یمکن ان یعلم ویخبر عنه "شیٔ اسے کہا جاتا ہے جسکا علم حاصل ہونا ممکن ہو اور اس کی خبر دینی ممکن ہو۔ اگر چہ جواب تو دیا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی اس میں تکلفات تھے، اسلئے مصنف نے اپنی تعریف میں لفظ "شیٔ" ذکر نہیں کیا۔

تنبیہ: دلیل کیلئے ضروری ہے کہ وہ پہنچائے مجہول کے علم کی طرف تقریب کے ذریعے، اس لئے دلیل کی تعریف کے بعد تقریب کی تعریف کی جارہی ہے۔

تعریف تقریب:

"التقریب سوق الدلیل علی وجه یستلزم المطلوب"

تقریب یہ ہے کہ دلیل کو اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ مستلزم مطلوب ہو، یعنی اگر دلیل یقینی ہو تو وہ مستلزم یقین ہوگی، اور اگر دلیل ظنی ہو تو وہ مستلزم ظن ہوگی۔

تعلیل:

کسی چیز کی علت بیان کرنا، علت سے مراد علت تامہ ہے۔ اس لئے کہ تعلیل کی تعرف میں لفظ تبیین ذکر کیا ہے "التعلیل تبیین علة الشیٔ" المقصود اصلی تبیین سے علم بالمطلوب ہے۔ اور یہ بغیر علت تامہ کے حاصل نہیں ہوتا۔

اعتراض: علت میں تین احتمال ہیں۔ علت تامہ اور علت ناقصہ اور دونوں سے عام، یہاں کوئی ایک بھی نہیں پائی جا سکتی۔ اسلئے کہ پہلی دو قسموں کے نہ پائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ عام

نہیں دلالت کرتا خاص معین اور تیسری قسم کے نہ پائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ علت بمعنی اعم سے معلول کا علم نہیں ثابت ہوتا حالانکہ مقصود ہی تعلیل سے معلول کے علم کا حصول ہے۔

جواب: ہم تین قسموں سے مراد "علت تامہ" لیتے ہیں۔ یہ مراد لینے پر قرینہ یہ موجود ہے کہ معلول کا علم علت تامہ سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

اعتراض: اس جواب پر پھر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرینہ کا قول کرنے والوں کے نزدیک تبیین معتبر ہے اور تبیین ہے ہی یہ کہ علت کے بغیر معلول کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ پھر علت تامہ پر اور قرینہ کیا موجود ہے تبیین سے مراد تو مطلق علت سمجھ آرہی ہے۔

جواب: مطلق علت سے مراد فرد کامل ہے، اور وہ فرد کامل علت تامہ ہی ہے۔

معلول سے مراد یہاں دعوی ہے:

تعلیل کی تعریف میں ذکر کیا "تبیین علة الشیئ" ایک چیز کی علت بیان کرنا۔ اگرچہ "الشیئ" سے مراد معلول ہے۔ لیکن "الشیئ" پر الف لام عہد خارجی ہے، اس لئے وہ معلول خاص یعنی دعوی مراد ہے، اس لئے کہ علت بیان کرنے سے مقصود ہی دعوی ہے۔

علت کی تعریف:

والعلة ما يحتاج اليه الشيئ في ماهيته او في وجوده (ایک چیز اپنی ماہیت میں یا اپنے وجود میں) جس کی محتاج ہو اسے علت کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ قریب ہو یا بعید ہو۔ ماہیت میں جب ایک چیز کسی دوسری چیز کی محتاج ہو کہ اس کا تصور اس کے بغیر نہ پایا جائے تو اسے رکن کہا جاتا ہے، جیسے قیام، رکوع، سجود اور قعدہ اخیرہ نماز کیلئے ضروری ہیں یہ تمام نماز کی علتیں ہیں۔ ان کو رکن بھی کہا جاتا ہے اسی طرح ایک چیز اپنے وجود میں دوسری کی محتاج ہو یعنی وہ اس کی ذات میں مؤثر ہو، یا اس کے مؤثر میں ان دونوں قسموں کو (یعنی جب ایک چیز اپنی ماہیت میں یا اپنے وجود میں کسی چیز کی محتاج ہو) علت تامہ کہتے ہیں۔

اصول فقہ میں تقسیم یوں بیان کی گئی:

اگر ایک چیز دوسری پر موقوف ہو تو دیکھا جائے وہ موقوف علیہ اس میں داخل ہے یا نہیں

۔اگر اس میں داخل ہو تو رکن اگر داخل نہ ہو تو شرط۔اگر موقوف علیہ نہ ہو تو پھر دیکھا جائے کہ اس میں مؤثر ہے یا نہیں اگر مؤثر ہو تو علت،اگر مؤثر نہ ہو تو پھر دیکھا جائے کہ وہ اس کی طرف موصل فی الجملہ ہے یا نہیں،اگر موصل فی الجملہ ہے تو سبب ورنہ علامت یہ اسی وقت ہے جب کہ وہ چیز اس پر موقوف نہ ہو۔اگر موقوف ہو تو رکن یا شرط جن کا ذکر پہلے کر دیا گیا۔

اعتراض : ماتن رحمہ اللہ نے علت کی جو تعریف کی ہے وہ شرط کو شامل نہیں وہ صرف علل اربعہ کو شامل ہے اسلئے کہ جب یہ کہا جائے کہ ایک چیز محتاج ہے دوسری کی "فی وجود ما یکون مؤثرا فیہ" اپنے وجود میں اور وہ اس میں مؤثر ہے تو یہ تعریف علت مطلقہ کی ہے،شرط کی نہیں حالانکہ شرط بھی علت ہے۔

جواب: ہم یہ نہیں کہتے کہ شرط علت تامہ میں داخل ہے،بلکہ شرط علت تامہ سے خارج ہے ،اسلئے ماتن کی تعریف درست ہے،شرط کا علت سے خارج ہونا صحیح ہے۔

ملازمہ:

تعلیل کبھی قیاس استثنائی کی صورت میں ہوتی ہے جو ملازمہ کو متضمن ہے،اسلئے ملازمہ کی تعریف کی ضرورت درپیش آئی۔ملازمہ اور تلازم اور استلزام ان کی اصطلاح میں ایک چیز کے ہی نام ہیں۔

ملازمہ کی تعریف:

"الملازمة وهو كون الحكم مقتضيا الآخر"

ملازمہ اسے کہا جاتا ہے کہ ایک حکم دوسرے حکم کا تقاضا کرے،یعنی جب مقتضی (اسم فاعل) پایا جائے تو مقتضی (اسم مفعول) ضرور پایا جائے۔وجود طلوع شمس وجود نہار کا مقتضی ہے ،یعنی طلوع شمس وجود نہار کو مستلزم ہے۔

تنبیہ:

محققین فی الوجود میں معنی اقتضاء سچا نہیں آتا،جیسے انسان اور ناطق،اسی طرح حمار اور ناہق، فلا حاجة الى تقييد الاقتضاء بالضروری" لہذا اقتضاء کے ساتھ ضروری (بدیہی

) کی قید لگانے کی ضرورت نہیں ملازمہ حکم کے ساتھ خاص ہے اگرچہ مفرادات میں بھی پایا جاتا ہے، ملازمہ اصطلاح میں جب قضایا کے ساتھ خاص ہے تو مفردات میں ملازمہ کیسے پایا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے "انّ التلازم بين المفردات في الحقيقة تلازم بين الاحكام" کہ تلازم مفردات میں حقیقت میں احکام کے درمیان تلازم ہے۔ ادنیٰ تأمل سے سمجھ میں آجاتا ہے جیسے انسان اور ضاحک میں تلازم پایا گیا ہے۔ اسے بطور قضایا یوں بیان کیا جائے گا "كلما وجد الانسان وجد الضاحك" "كلما وجد الضاحك وجد الانسان"

ملزوم ولازم:

حکم اول یعنی مقتضِی (اسم فاعل) کا نام ملزوم رکھا جاتا ہے۔ اور حکم ثانی یعنی مقتضٰی (اسم مفعول) کا نام لازم رکھا جاتا ہے۔

کبھی تلازم جانبین سے ہوتا ہے:

اس صورت میں جسے چاہیں ملزوم نام رکھ لیں اور جسے چاہیں لازم نام رکھ لیں۔ جیسے طلوع شمس اور وجود نہار ان میں سے ہر ایک لازم بھی ہے اور ملزوم بھی۔ ملزوم ولازم بیان کیا ہے مدلول و دلیل نہیں بیان کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کثیر طور پر بطلان لازم پر منع وارد ہوتا ہے جس طرح صغریٰ ملازمہ پر منع وارد ہوتا ہے اسی لئے اس کے بعد منع کی تعریف کو ذکر کیا گیا ہے۔

منع کی تعریف:

"المنع طلب الدليل على مقدمة معينة"

مقدمہ معینہ پر طلب دلیل کو منع کہا جاتا ہے۔

منع اور مناقضہ اور نقض تفصیلی ایک چیز کے ہی نام ہیں۔

اعتراض: منع کی تعریف میں جو لفظ مقدمۃ ذکر ہے اس کو ضمیر کی طرف [illegible] کرنا چاہیے یعنی یوں کہا جاتا "على مقدمته" تاکہ ضمیر لفظ "الدليل" کی طرف لوٹتی، ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب: ضمیر کو مضاف الیہ نہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ضمیر لائی جاتی تو وہم یہ ہوتا کہ مطلوب طلب دلیل ہے اسی دلیل مطلوب کے مقدمہ پر" حالانکہ یہ درست نہیں۔

معینہ کی قید کا فائدہ:

"علی مقدمۃ معینۃ" کہا گیا ہے۔ مقدمہ کے ساتھ معینہ کی قید لگائی گئی ہے تا کہ نقض اجمالی کو نکالا جائے، (نقض اجمالی کی تعریف قریب ہی آرہی ہے)

منع کبھی دلیل کے دونوں مقدموں پر تفصیلی طور پر واقع ہوتا ہے:

جس طرح معلل کہے عورتوں کے زیور میں زکوۃ واجب ہے کیونکہ نص اسے شامل ہے۔وہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "ادوا زکوۃ اموالکم" (اپنے مالوں کی زکوۃ ادا کرو) اور ہروہ جسے نص شامل ہو وہ جائز الارادہ ہوتی ہے، اوور ہروہ جو جائز الارادہ ہو وہ مراد ہوتی ہے۔نتیجہ نکلا "محل النزاع مراد ہے" یعنی عورتوں کے زیور میں زکوۃ کا واجب ہونا مراد ہے۔اس پر سائل یوں اعتراض کرے گا "ہم نہیں تسلیم کرتے کہ محل نزاع متناول النص ہے۔اگر یہ ہم تسلیم کرلیں تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جو متناول النص ہو وہ جائز الارادہ ہے۔اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے جو جائز الارادہ ہو وہ مراد ہوتی ہے۔ بظاہر یہ کئی منع ہیں۔ایک نہیں، لیکن مقصد ممنوع ایک ہونے کی وجہ سے ایک ہی منع شمار ہوتا ہے۔

مقدمہ:

ماخوذ ہے تعریف منع میں اس لئے ضروری ہو گیا کہ مقدمہ کا معنی بیان کیا جائے "المقدمۃ ما یتوقف علیہ صحۃ الدلیل" مقدمہ وہ ہے جس پر صحت دلیل موقوف ہو جس پر صحت دلیل موقوف ہے وہ عام ہے جزء دلیل ہو یا نہ ہو۔گویا کہ تعریف مقدمہ تتمہ ہے تعریف منع کا تعریفات میں حیثیات معتبر ہوتی ہیں۔اس لئے حاصل تعریف منع یہ ہے۔

"طلب الدلیل علی مقدمۃ معینۃ من حیث ھی مقدمۃ"

جب حیثیت کا اعتبار ہے تو اب کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکے گا کہ "دعوی پر طلب دلیل نفس الامر میں جزء دلیل ہے" کیونکہ ہم نے بیان کردیا ہے کہ یہ عام ہے جزء دلیل ہو یا نہ ہو۔

منع کی تعریف مبنی للمفعول بہتر ہے:

یعنی یوں کہا جائے "یکون المقدمۃ بحیث یطلب علیہا الدلیل" مبنی للفاعل کا

معنی ظاہر نہیں، اس لئے یہ نہیں کہا جائے گا۔"المقدمة بحيث يطلب المانع عليها الدليل"

سند کا لغوی معنی:

سہارا لگانا، سی طرح مستند کا معنی بھی سہارا لگانا، کہا جاتا ہے "استندت الی حائط" میں نے دیوار سے سہارا لگایا۔

سند کی تعریف:

"السند ما يذكر لتقوية المنع" جو چیز منع کی تقویت کیلئے ذکر کی جائے اسے سند کہا جاتا ہے، "سند کا دوسرا نام مستند ہے" تقویت حکم کیلئے سند کو ذکر کیا جائے واقع میں تقویت کا فائدہ دے یا نہ دے، عام ہے۔

سند صحیح: کبھی اخص ہوتی ہے، اور کبھی مقدمہ ممنوعہ کی نقیض کے مساوی ہوتی ہے۔

سند فاسد: کبھی اعم مطلق ہوتی ہے۔ اور کبھی اعم من وجہ ہوتی ہے۔

مبائن:

اصطلاح میں سند نہیں، بلکہ بعض حضرات کے نزدیک اعم بھی اصطلاحی سند نہیں۔ لیکن یہ قول درست نہیں۔ درست یہی ہے کہ اعم سند ہے البتہ تقویت منع کا فائدہ نہیں دیتی۔ یوں کہا جاتا ہے "ماذكرت للتقوية ليس بمفيد لها" جو تم نے تقویت کیلئے ذکر کی ہے وہ مفید تقویت نہیں۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ جو تقویت کیلئے تم نے ذکر کی وہ سند ہی نہیں۔

نقض اجمالی:

ماتن جب نقض تفصیلی کی تعریف اور اس کی تقویت کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب نقض اجمالی کو بیان کرتے ہیں۔

نقض کا لغوی معنی:

توڑنا، اور اصطلاحی معنی ابطال الدليل متمسكا بشاهد"

یعنی نقض اجمالی کی تعریف یہ ہے:

کہ معلل دلیل پیش کرے تو دوسرا شاہد سے تمسک پکڑتے ہوئے اس کی دلیل کو باطل کر دے کہ یہ استدلال کے لائق نہیں، اگر استدلال کے لائق سمجھا جائے تو فساد لازم آئے گا۔

فساد لازم آنے کی وجوہ:

یا یہ کہا جائے گا کہ تمہاری دلیل مدلول سے عام ہے، کیونکہ دلیل کسی جگہ پائی جاتی ہے لیکن مدلول نہیں پایا جاتا، یعنی مدلول دلیل سے متخلف ہے اسی کو ماتن نے "فصل" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی مدلول دلیل سے جدا ہے یا فساد کی وجہ لزوم محال ہے، یعنی اگر تمہاری اس دلیل کو تسلیم کیا جائے تو محال لازم آئے گا۔

خصوصی یاد رکھنے کے قابل:

نقض اجمالی کو کبھی صرف نقض بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی صرف نقض اور نقض اجمالی ایک چیز ہے اور منع اور مناقضہ اور نقض تفصیلی ایک چیز ہے نقض تفصیلی میں مقدمہ معینہ پر دلیل طلب کی جاتی ہے اور نقض اجمالی میں معلل کی دلیل کو باطل کیا جائے اس میں مقدمہ معینہ کی کوئی قید نہیں ہوتی۔

شاہد کی تعریف:

شاہد وہ چیز ہے جو فساد دلیل پر دلالت کرے کہ تمہاری دلیل سے مدلول متخلف ہے یا یہ کہے کہ تمہاری دلیل کو اگر تسلیم کیا جائے تو یہ مستلزم محال ہے۔

مشہور تعریف سے عدول کیوں؟

نقض اجمالی کی مشہور تعریف یہ ہے "النقض هو تخلف الحكم عن الدليل" نقض یہ ہے کہ حکم دلیل سے متخلف ہو۔

مشہور تعریف سے عدول کی دو وجہ ہیں:

(۱) ایک یہ کہ نقض کی دو صورتیں ہیں یعنی "تخلف الحكم عن الدليل" اور "مستلزم المحال"، مشہور تعریف میں ایک قسم آتی ہے، دوسری نہیں آتی، یعنی مستلزم محال کو شامل نہیں

دوسری وجہ عدول یہ ہے کہ نقض صفت ہے ناقض کی اور تخلف صفت ہے حکم کی، حد اور محدود میں مساوات نہیں پائی گئی۔ پہلی وجہ عدول کا جواب تو ممکن ہے لیکن واضح نہ ہونے کی وجہ سے ماتن کا عدول کرنا بھی درست ہے، وہ جواب یہ ہے کہ حکم سے مراد عام مدلول ہو، خواہ مدعی ہو یا غیر مدعی یعنی انتفاء مدلول مع وجود دلیل کی دو قسمیں بن گئیں، ایک مشہور معنی تخلف، اور دوسری قسم یہ ہے کہ دلیل پائی گئی لیکن مدلول بالکل نہیں پایا گیا اسی وجہ سے مستلزم محال ہے۔ لیکن یہ توجیہ زیادہ واضح نہ ہونے کی وجہ سے ماتن نے مشہور تعریف سے عدول کیا ہے دوسری وجہ عدول کا جواب بھی ممکن ہے کہ نقض سے مراد نقض اصطلاحی ہے۔ نقض لغوی نہیں۔ نقض لغوی میں نقض صفت ہے ناقض کی، نقض اصطلاحی میں نہیں۔ پھر مصدر کو بمعنی للمفعول بنانا بھی جائز ہے۔

معلل کی دلیل پر تین اعتراض وارد ہوتے ہیں:

(۱) منع یعنی نقض تفصیلی (۲) نقض یعنی نقض اجمالی (۳) معارضہ۔

دو کو بیان کر دیا گیا اب تیسرے یعنی معارضہ کا بیان ہے۔

معارضہ کی تعریف:

المعارضة اقامة الدليل على خلاف ما اقام الدليل عليه الخصم

معارضہ یہ ہے کہ ایک خصم نے اپنے دعوی پر دلیل قائم کی ہو، تو دوسرا خصم اس کے خلاف دلیل قائم کرے اس کے خلاف دلیل قائم کرنا عام ہے، خصم کے دعوی کے منافی ہو خواہ اس کی دلیل کی نقیض ہو، یا مساوی نقیض ہو یا اس سے اخص ہو مطلقا مغایر ہونا ضروری نہیں۔

اصل میں لفظ خصم سے وہم پڑتا تھا کہ شاید معارضہ میں معلل کی دلیل کی مغایر دلیل ہی پیش کی جاتی ہے لیکن یہ درست نہیں، وہم کی وجہ اصل میں یہ ہے کہ مخاصمہ کی تعریف عام طور پر کی جاتی ہے ایک کی دلیل کا مدلول دوسرے کی دلیل کے مدلول کے منافی ہو لیکن یہاں خصم سے مراد عام ہے، جس سے مراد صرف مد مقابل ہے۔

لہذا مد مقابل کی طرف سے معلل کی دلیل کی نقیض یا مساوی نقیض یا اخص تینوں صورتیں معارضہ ہیں۔

معارضہ کی تین قسمیں ہیں:

معارضہ بالقلب ، معارضہ بالمثل ، معارضہ بالغیر۔

معارضہ بالقلب کی تعریف:

معلل کی دلیل کے خلاف معارض دلیل قائم کرے، لیکن بظاہر دونوں دلیلیں مادہ اور صورت کے لحاظ پر متحد نظر آئیں۔

معارضہ بالقلب کی مثال:

جیسے حنفی کہے:۔

"مسح الراس رکن من ارکان الوضو فلا یکفی اقل ما یطلق علیہ اسم المسح کغسل الوجہ"

مسح وضوء کے ارکان میں سے ایک رکن جیسے چہرے کو دھونا ارکان وضوء سے ایک رکن ہے، مسح صرف اتنا کافی نہیں کہ چند بالوں پر مسح ہو جائے جیسے مسح کہا جا سکے جیسے چہرے کا دھونا اتنا کافی نہیں کہ اس پر صرف غسل کا اطلاق ہو سکے۔

شافعی المسلک شخص کے سامنے معارض دلیل قائم کرے:

"مسح الراس رکن من ارکان الوضوء فلا یقدر بالربع کغسل الوجہ"

سر کا مسح ارکان وضوء میں سے ایک رکن ہے۔ اسلئے سر کا چوتھائی حصہ مسح کرنا درست نہیں جیسے چہرے کا چوتھائی حصہ دھونا فرضیت ادا نہیں کرتا۔

(یہ معارضہ بالقلب ہے) معارضہ بالقلب کی مثال "مغالطہ عامۃ الورود" بھی ہے (مثال کتاب میں ہی دیکھئے) ۔

معارضہ بالمثل کی تعریف:

معلل جو دلیل پیش کرے اسی کی مثل معارض دلیل پیش کرے، یعنی دونوں کی دلیلیں صورت کے لحاظ پر متحد ہوں، مادہ کے لحاظ پر متحد نہ ہوں، دونوں کی دلیلیں حکم کے لحاظ پر ایک دوسرے کے مخالف ہوں گی تب ہی معارضہ ثابت ہوگا۔

معارضہ بالمثل کی مثال:

معلل حدوث عالم پر دلیل پیش کرے "العالم محتاج الی المؤثر" "وکل محتاج الی المؤثر حادث" نتیجہ یہ نکلا "العالم حادث" معارض اس کے خلاف عالم کے قدیم ہونے پر یوں دلیل پیش کرلے "العالم مستغن عن المؤثر، و کل مستغن عن المؤثر قدیم" نتیجہ یہ نکلا "العالم قدیم" دونوں دلیلیں صورت کے لحاظ پر متحد ہیں، اس لئے کہ دونوں شکل اول، مادہ دونوں میں علیحدہ علیحدہ ہے۔

معارضہ بالغیر کی تعریف:

معلل جو دلیل پیش کرے معارض اس کے خلاف دلیل قائم کرے، دونوں دلیلوں کا مادہ اور صورت ایک نہ ہو۔

معارضہ بالغیر کی مثال:

معلل کہے، العالم محتاج الی المؤثر وکل محتاج الی المؤثر حادث فالعالم حادث، معارض اس کے خلاف دلیل یوں قائم کرے "لو کان العالم حادثا اما کان مستغنیا لکنہ مستغن فلیس بحادث" دونوں دلیلیں ایک دوسرے کے معارض ہیں۔ دونوں کا مادہ اور صورت ایک نہیں، پہلی دلیل قیاس اقترانی شکل اول ہے، اور دوسری دلیل قیاس شرطی اتصالی (استثنائی) ہے۔

توجیہ:

مناظر کے لئے توجیہ ضروری ہوتی ہے، اس لئے توجیہ کا بیان کرنا ضروری ہے:

"التوجیہ ان یوجہ المناظر کلامہ منعا او نقضا او معارضۃ الی کلام الخصم"

توجیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ مناظر اپنا کلام خصم کے کلام کی طرف پیش کرے از روئے منع یا نقض یا معارضہ کے۔

مطلب یہ ہے مناظر جب دوسرے مد مقابل کے کلام پر منع پیش کرلے، یا نقض پیش کرلے یا معارضہ پیش کرے اسے توجیہ کہا جاتا ہے۔

غصب:

غصب کا مطلب یہ ہے کہ غیر کے منصب کو لینا، جیسے ناقل کا کام صرف کسی کے کلام کو نقل کرنا ہے، لیکن جب وہ نقل کے ساتھ اپنی طرف سے دلائل بھی قائم کرے تو گویا کہ اس نے اپنے آپ کو مدعی کے درجہ میں رکھا یعنی مدعی کے منصب کو حاصل کیا، گویا کہ غصب سے کام لیا، اس لئے کہ دلائل قائم کرنا مدعی کا کام تھا۔

غصب کی مثال:

کوئی شخص امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول کو نقل کرے کہ وہ دونوں کہتے ہیں جب ظہار کرنے والا شخص کفارہ کے روزوں کے درمیان جماع کرلے تو وہ نئے سرے سے روزے رکھے۔

اب اس پر وہ دلیل قائم کرے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا "من قبل ان یتماسا" یہ ارشاد تقاضا کرتا ہے کہ جماع سے پہلے کفارہ ادا کردے، تقدیم کفارہ اسی وقت پایا جائے گا جبکہ کفارہ کے دوران جماع نہ کیا جائے، اگر دوران کفارہ جماع کرلیا گیا تو تقدیم فوت ہوگئی۔ ناقل کا کام صرف صحیح نقل ہے، جب وہ استدلال میں شروع ہوا تو اس نے منصب مدعی کو حاصل کیا، اسی کا نام غصب ہے۔ جو درست نہیں۔

مقدمہ کی فراغت کے بعد بحث کا ذکر کیا جارہا ہے، پہلے اجزاء بحث کو ذکر کیا جارہا ہے۔

اجزاء بحث تین ہیں:

مبادی، اوساط، مقاطع۔

مبادی کی تعریف:

"المبادی هی تعیین المدعی" یہاں مبادی سے مراد دعوی کو معین کرنا ہے، یعنی جب دعوی میں خفاء ہو، دعوی متعین نہ ہو تو پتہ نہیں چلے گا کہ معلل کی دلیل مثبت ہے یا نہیں۔

اوساط کی تعریف:

"والأوساط هی الدلائل" اس مقام پر اوساط سے مراد دلائل ہیں، دلائل کا اوساط نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اوساط مؤخر ہوتے ہیں، مبادی یعنی تعیین مدعیٰ سے، اور مقدم ہوتے ہیں مقاطع یعنی ان سے جن پر بحث کی انتہاء ہوتی ہے۔

مقاطع کی تعریف:

"المقاطع هی المقدمات التی ینتهی البحث الیها من الضروریات والظنیات المسلمة عند الخصم"

مقاطع ان مقدمات کو کہا جاتا ہے جن پر بحث کی انتہاء ہوتی ہے، خواہ وہ مقدمات بدیہات ہوں یا ظنیات ہوں ایسے ظنیات جو خصم کے نزدیک بھی مسلم ہوں، جیسے دور، تسلسل اور اجتماع نقیضین وغیرہ۔

مقاطع کی مثال:

جب معلل دعوی کرے کہ وضوء میں نیت شرط نہیں، تو سائل کے لائق ہے کہ وہ سوال کرے نیت کیا ہے؟ اور شرط کیا ہے؟ اور وضوء کیا ہے؟ معلل جواب دے "نماز کے مباح ہونے کا ارادہ کرنا نیت ہے" یا یہ کہا جائے "حکم کو ماننے کا ارادہ کرنا نیت ہے" امر خارج جس پر ایک چیز موقوف ہو وہ شرط ہے جبکہ وہ مؤثر نہ ہو، اور وضوء یہ ہے کہ تین اعضاء کو دھونا اور سر کا مسح کرنا، پھر سائل کہے "نیت کا شرط نہ ہونا کس مذہب پر ہے؟" معلل جواب دے کہ نیت کا شرط نہ ہونا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب پر ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے یعنی وہ شرط مانتے ہیں۔

تنبیہ:

سائل کیلئے وجوب طلب اس وقت ہے جب اسے علم نہ ہو، اگر اسے علم ہو پھر طلب کرے تو یہ مکابرہ یا مجادلہ ہوگا، مناظرہ نہیں۔

مصنف نے کہا:

"اعلم ان الواجب علی السائل ان یطالب اولا ما امکنه من تعریف مفردات المدعی وتعیین البحث وتمییزه عن سائر الاحوال"

سائل پر واجب ہے کہ پہلے مطالبہ کرے ان چیزوں کا جو ممکن ہوں، یعنی دعویٰ کے مفردات، اور تعیین بحث اور تمام احوال سے تمیز کرنے کا سوال کرے۔

"أمكنہ" کی قید کا فائدہ:

اس لئے کہ بعض اشیاء کا ناقل سے طلب کرنا جائز نہیں، ناقل کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ تو منقول پر دلیل قائم کر، یا دلیل کے مقدمات پر دلیل قائم کر، اس لئے کہ وہ ناقل ہے مستدل نہیں ہے۔ ہاں اگر ناقل منقول پر دلائل قائم کرے تو اس نے مدعی اور مستدل کا منصب حاصل کیا ہے، لہٰذا جس طرح مدعی اور مستدل سے دلائل طلب کئے جاتے ہیں اسی طرح اس سے بھی طلب کئے جا سکتے ہیں۔

اعتراض: ادھر مصنف نے کہا "ان الواجب علی السائل" اس کے بعد جب مثال دی تو کہا "فینبغی للسائل ان یقول ما النیۃ" وجوب اور ینبغی میں منافات ہے، وجوب اسے کہتے ہیں جس کو چھوڑنا جائز نہ ہو، اور ینبغی کا مطلب ہوتا ہے مناسب ہے یہ کام کرنا، لیکن اس کا چھوڑنا بھی جائز ہوتا ہے۔ ان دونوں میں تطبیق کیسے جائز ہے۔

جواب: اگر ہماری نظر سے تأمل کریں تو ان دونوں میں کوئی منافات نہیں، مراد تو واجب ہی ہے، لیکن واجب کو کبھی لائق اور مستحسن کہہ لیا جاتا ہے۔ ہاں البتہ "ینبغی" سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ متاصمین سے کوئی شخص علم کے لحاظ پر بہت گھٹیا نہ ہو جیسے مثال میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ ظاہر ہیں۔ ان سے بے خبر شخص جاہل ہی ہوگا۔

کل نو عدد بحثوں کو ذکر کرنا ہے:

بحث اول طریق بحث اور ترتیب طبعی تقدیم و تاخیر کے بیان میں ہے خصم پر استفسار کے بعد جواب دینا اور بیان کرنا لازم ہوتا ہے۔ اگر طلب سے پہلے بیان کرنا شروع کرے تو یہ عبث ہوگا۔

ناقل سے تصحیح نقل کا سوال کرنا درست ہے:

جیسے ناقل کہے "قال ابو حنیفۃ النیۃ لیست بشرط فی الوضو" سائل پوچھے تو نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول کہاں سے نقل کیا ہے، تو یہ جواب دے ہدایہ میں اسے واضح طور پر نقل

کیا گیا ہے۔ پہلے زمانہ میں تو اتنا کہنا کافی تھا۔ لیکن ہمارے زمانہ میں جھوٹ عام ہو چکا ہے، اس لئے اب یہ ضروری ہو چکا ہے کہ وہ کتاب سے نکال کر دے۔

تنبیہ و دلیل کا مطالبہ درست ہے:

جب ایک شخص نے دعویٰ کے بدیہی ہونے کا قول کیا تو اس پر تنبیہ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر نظری کا دعویٰ کیا ہو تو اس پر دلیل کا مطالبہ کیا جاسکتا۔ جیسے اہل حق کہیں "حقیقۃ من حقائق الاشیاء ثابتۃ" سوفسطائی کہے تو کس تنبیہ سے یہ دعویٰ کر رہا ہے تو وہ کہے "ہم مشاہدات کا مشاہدہ کر رہے ہیں اگر حقیقت ثابت نہ ہوتی تو ہم مشاہدہ نہ کرتے۔ یا اس طرح کہے "تو بھی حقائق میں سے ایک حقیقت ہے، اگر تو ثابت نہ ہوتا تو تو ہم سے تنبیہ کا مطالبہ نہ کرتا، مدعی اگر نظر مجہول کا دعویٰ کرے تو اس پر دلیل کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے، جیسے کوئی کہے "العالم حادث،، سائل یہ کہے کہ تو کس دلیل سے یہ کہہ رہا ہے؟ تو یہ کہے "لانہ متغیر و کل متغیر حادث فھو حادث"

سائل جب مقدمہ معینہ کو سند سے منع کرے تو جواب سند کے باطل کرنے سے دیا جائے:

معلل نے جب حدوث عالم پر دلیل عالم پر دلیل قائم کی ہو، تو حکیم اس کے غیر کو منع کرے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ "کل متغیر حادث" اس پر سند یہ پیش کرے کہ یہ کیوں جائز نہیں "یکون بعض المتغیر قدیما" اس کا جواب سند کو باطل کرنے سے دیا جائے گا کہ تمہاری یہ سند باطل ہے کیونکہ کسی متغیر کا قدیم ہونا جائز نہیں کبھی معلل کی دلیل کا رد تو کیا جاتا ہے لیکن اس پر سند نہیں پیش کی جاتی، اس صورت میں اس کے رد کا جواب اس کے سؤال کے مطابق ہی ہوگا۔

خلاصہ کلام:

اگر دلیل قابل نقض ہو تو درجہ میں سے ایک سے نقض پیش کرے، تخلف سے یا لزوم محال سے اور اگر دلیل قابل معارضہ ہو تو معارضہ کی تین قسموں میں سے ایک سے پیش کرے۔ یعنی معارضہ بالقلب یا معارضہ بالمثل یا معارضہ بالغیر سے۔ نقض یا معارضہ کا جواب منع سے

دے اگر منع کے قابل ہو اور نقض سے جواب دے اگر اس کی صلاحیت رکھے۔ ماتن نے جو یہ ذکر کیا ہے "فلہ جواب بالمنع او النقض او المعارضۃ" یہاں لفظ "او" منع الخلو کیلئے ہے یعنی جواب میں ان تین میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے لیکن مختلف حیثیات سے دو یا تین کا پایا جانا بھی ممکن ہے۔ اس سے آگے ترقی کر کے یہ کہا "یجوز بالتغییر او التحریر شیٔ فی الکل مطلقا" یعنی سائل خواہ مانع ہو یا ناقض ہو یا معارض ہو اس کا جواب تغییر اصل سے دیا جا سکتا ہے کہ دعویٰ میں کچھ الفاظ بڑھا کر جواب دیا جائے تا کہ کوئی ایک سوال بھی نہ وارد ہو یا جواب تحریر سے دیا جائے مجموعی تغییر اصل سے یا تحریر سے جواب دینے کا یہ مطلب ہے کہ دعویٰ بدل دے یا دلیل بدل دے یا وہ مقدمہ بدل دے جس پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

تنبیہ: جب دعویٰ نظری ہو تو دعویٰ کو دلائل سے ثابت کیا جائے گا۔ اور اگر دعویٰ ضروری ہو تو اس پر تنبیہ کو پیش کرنا صحیح ہے کہ مقصود اثبات دعویٰ نہیں بلکہ ازالہ خفاء ہے۔ کیونکہ بدیہی اثبات کا محتاج نہیں ہاں البتہ بدیہی چیز کو بھی تنبیہ کے ذریعے ثابت کیا جائے نہ کہ دلیل کے تو اس میں کوئی حرج نہیں یعنی اس صورت میں "اثبات الدعوی بالتنبیہ" کہنا صحیح ہوگا۔

البحث الثانی:

"التعریف الحقیقی لاشتمالہ علی دعاوی ضمنیۃ وینقض ببیان الاختلال فیطردہ وعکسہ ویعارض بغیرہ"

تعریف حقیقی ضمنی دعووں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس پر نقض خلل بیان کرنے سے پیش کیا جائے گا، وہ خلل یا تعریف کے مانع نہ ہونے یا جامع نہ ہونے سے پیش ہوگا۔ یا اس کے بغیر معارضہ پیش کیا جائے گا ضمنی دعووں سے مراد یہ ہے کہ جب حد بیان کرے گا تو اس میں پہلی جزء جنس ہوگی اور دوسری فصل ہوگی، اس پر منع یوں پیش کیا جائے گا کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ یہ حد ہے، یہ جنس ہے، یہ فصل ہے۔

سوال: حد اور محدود میں حکم نہیں پایا جاتا بلکہ صرف ذہن میں منقش کیا جاتا ہے اور تصور دلایا جاتا ہے اعتراضات تو وہاں وارد ہوتے ہیں جہاں حکم پایا جائے، تو یہاں یہ کہنا کیسے درست ہے کہ تین قسم کے اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں اور ان کے یہ جواب دیئے جا سکتے ہیں۔

جواب: صادر محدود میں اگرچہ صراحۃً حکم نہیں پایا جاتا لیکن ضمناً حکم پایا جاتا ہے اسی پر اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

دفاع منوع ثلاثہ:

یعنی منع، نقض اور معارضہ کا جواب یا نقل کے ذریعے دیا جائے گا کہ اہل اصطلاح سے یہی منقول ہے یا وجہ استعمال سے جواب دیا جائے گا، یا بیان ارادہ سے جواب دیا جائے گا بیان ارادہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ کہا جائے "ظاہر لفظ سے جو معنی سمجھ آرہا ہے وہ ہم مراد نہیں لیتے بلکہ ہم اور معنی مراد لیتے ہیں۔

اعتراض: منع، نقض اور معارضہ کی علیحدہ علیحدہ تعریفیں ہیں سب پر منع کا اطلاق کیسے صحیح ہے؟

جواب: سب پر منع کا اطلاق مجازی طور پر ہے، ہوسکتا ہے کہ منع کے لغوی معنی کے لحاظ پر تینوں کو منع کہہ دیا گیا ہو۔ اصطلاحی معنی کے لحاظ پر فرق بھی ہو۔

البحث الثالث:

ماقبل کلام سے یہ ظاہر ہورہا ہے کہ حقیقی معنی کے لحاظ پر نقل اور دعوی پر منع وارد نہیں ہوسکتا یعنی جبکہ مستدل کی دلیل کے مقدمہ مذکورہ پر منع کو لوٹانے کا ارادہ نہ کیا جائے۔

نقل پر منع حقیقی معنی کے لحاظ پر وارد نہ ہونے کی مثال:

جب ایک شخص امام صاحب کے قول کو نقل کرتے ہوئے کہے

"قال ابو حنيفة رحمه الله النية ليست بشرط في الوضوء فاما ان يقول المانع لانسلم انها ليست شرط"

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا "نیت وضوء میں شرط نہیں" پر مانع یہ کہے کہ ہم نہیں مانتے کہ نیت شرط نہیں مانع کا یہ قول بالکل نہیں سنا جائے گا کیونکہ اس نے یہ قول بطور حکایت بیان کیا ہے، اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہاں اگر مانع یہ کہے کہ ہم نہیں مانتے کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ کہا ہے۔ اس کے قول کو سنا تو جائے گا لیکن یہ حقیقت میں منع نہیں بلکہ طلب تصحیح نقل ہے۔ مجازی طور پر اسے منع کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ دونوں طلب میں مشترک ہیں منع میں طلب دلیل ہے۔

اور نقل میں طلب تصحیح نقل ہے۔

دعوی میں بھی حقیقی معنی کے لحاظ پر منع جاری نہیں اس کی مثال:

متکلم کہے "الجسم مرکب من اجزاء لا تتجزی" (جسم مرکب ہے ایسے اجزاء سے جن کی تقسیم نہیں ہو سکتی) حکیم کہے ہم یہ تسلیم نہیں کرتے حکیم کے قول کے عقلاً دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ مقدمہ معینہ پر دلیل طلب کر رہا ہو، یہ معنی درست نہیں کیونکہ مدعی نے صرف دعوی کیا ہے دلیل قائم نہیں کی دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ سائل دعوی پر دلیل طلب کر رہا ہو، یہ قول سنا تو جائے گا، لیکن یہ بھی مجازاً منع ہے۔ اس لئے کہ مقدمہ معینہ پر دلیل اور چیز ہے۔

دعوی پر نقض اور معارضہ بھی جاری نہیں ہو سکتے:

نقض دعوی پر متوجہ نہیں ہو سکتا مطلقاً، ہاں اگر دلیل کی طرف نقض کو راجع کیا جائے تو نقض وارد ہو سکے گا۔ اور جب دعوی مع الدلیل نہ پایا جائے تو معارضہ اس پر جاری نہیں ہو گا۔ اور جب دعوی مع الدلیل پایا جائے تو اس پر معارضہ جاری ہو سکے گا۔

بعض حضرات نے کہا نقل پر منع حقیقی معنی کے لحاظ پر جاری ہو سکتا ہے:

اس قول کے مطابق منع کی تعریف یہ ہو گی کہ "منع یہ ہے طلب دلیل اس چیز پر جو ملتزم صحت ہے یا طلب دلیل ملتزم صحت کے مقدمہ پر۔

علم مناظرہ میں مشہور یہ ہے:

نقل جب معلوم ہو تو طلب تصحیح نقل جائز نہیں۔ جب دعوی اُمر بدیہی غیر اولی ہو تو اس پر تنبیہ جائز نہیں۔ اور جب دعوی امر نظری معلوم کا ہو تو اس پر طلب دلیل جائز نہیں اس قول والوں نے کوئی قید نہیں لگائی۔ حالانکہ یہ تمام صورتیں طلب کی جائز نہیں جبکہ سائل کو اس کی معلومیت مقصود نہ ہو، اگر سائل کو کسی دوسری وجہ سے معلومیت مقصود ہو تو طلب کی تینوں صورتیں جائز ہوں گی۔

تنبیہ: زیادتی ایقان وعلم کیلئے سوال کرنا مکابرہ یا مجادلہ نہیں کہلائے گا، بلکہ مناظرہ ہی رہے گا

اور مقصد اس میں اظہار صواب ہی ہوگا، ہاں اتنی بات واضح ہے کہ جب تک ایک چیز ظاہر نہ ہوں اس کو ظاہر کرنا اظہار ہے۔ ورنہ اظہار الظاہر لازم آئے گا۔ ہاں البتہ علم کے بعد زیادتی ایقان مقصود ہو تو زیادتی ظہور ہوگا، اسے ہی مجازاً زیادتی اظہار کہہ لیا جاتا ہے۔

بطلان دلیل سے بطلان مدلول نہیں ہوتا:

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مدلول کے کئی دلائل ہو سکتے ہیں، ایک دلیل کے باطل ہونے سے مدلول اس لئے باطل نہیں ہوتا کہ اور دلائل موجود ہیں۔

اعتراض: مصنف ادھر یہ کہتے ہیں کہ بطلان دلیل بطلان مدلول کو مستلزم نہیں۔ اور ادھر یہ کہتے ہیں "فاذابطل الدلیل فلا منصب للمعلل سوی التغییر والتبدیل" جب دلیل باطل ہو جائے تو معلل کو سوائے تغییر و تبدیل کے کچھ اور حاصل نہیں ہوتا یہ کس طرح درست ہے کہ ایک دلیل کے باطل ہونے سے اور کوئی منصب سوائے تغییر و تبدل کے حاصل نہ ہو، جبکہ اور دلائل موجود ہیں۔

جواب: فاذابطل الدلیل میں الف لام جنسی ہے، مطلب یہ ہے کہ جب جنس دلیل ہی باطل ہو جائے تو معلل کو سوائے تغییر و تبدیل کے کوئی منصب حاصل نہیں ہوتا۔

البحث الرابع:

دلیل کے ایک مقدمہ معینہ یا ایک سے زائد مقدمات معینہ پر منع پیش کرنا جائز ہے خواہ وہ مقدمہ صریح ہو یا ضمنی۔

جو چیز معلوم ہو من کل وجہ: اس پر منع پیش کرنا مکابرہ یا مجادلہ ہوگا۔ اس منع کو نہیں سنا جائے گا، ہاں البتہ دعوی بدیہی جس میں خفاء ہو اس پر منع پیش کرنا، اور حقیقیہ کے مقدمہ پر منع پیش کرنا جائز ہوگا۔ منع مقدمہ جو ذکر میں مرتب ہو دوسرے مقدمہ کے منع پر جبکہ دوسرے مقدمہ کو تسلیم کیا جائے تو وہ متفاوت ہوگا برابر ہے کہ وہ منع مذکور تردیدات میں ہو یا نہ ہو۔

تردید کی مثال:

معلل کہے یہ نہیں خالی کہ یا یہ ہوگا یا وہ، اگر یہ ہوا تو اس طرح ہوگا، اگر وہ ہوا تو اس طرح

ہوگا سائل کہے ہم یہ نہیں مانتے کہ اگر یہ ہوا تو اس طرح ہوگا۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں تو یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اگر وہ ہوا تو اس طرح ہوگا یا اس کا عکس ہو، یہ کہے ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اگر وہ ہو تو اس طرح ہوگا اگر یہ تسلیم کرلیں تو یہ تسلیم نہیں کرتے کے اگر یہ ہوا تو اسطرح ہوگا۔

عدم تردید کی مثال:

معلل کہے "العالم متغیر و کل متغیر حادث" تو سائل کہے ہم یہ تسلیم نہیں کرتے "العالم متغیر" اگر یہ تسلیم کرلیں تو یہ تسلیم نہیں کرتے "کل متغیر حادث" یا اس کا عکس قول کرے۔ لانسلم کل متغیر حادث ، وان سلمنا لا نسلم العالم متغیر،

منع معلل کو کبھی نقصان نہیں پہنچاتا:

اس کی دو صورتیں ہیں:

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ معلل اپنی دلیل میں کبھی ایسا مقدمہ ذکر کرے جس کی شدید محتاجی نہیں تھی کیونکہ اگر وہ مقدمہ درمیان میں سے ہٹا دیا جائے تو دلیل میں کوئی فرق نہیں پڑتا تو اس مقدمہ پر منع پیش کرنے سے معلل کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، یعنی اس کی دلیل مکمل ہوگی۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ انتفاء مقدمہ ممنوعہ مستلزم ہو مطلوب کو، تو اس میں بھی نقصان نہیں بلکہ اس کی دلیل مکمل ہے ان دو صورتوں میں معلل مقدمہ ممنوعہ کو ثابت کرنے کا محتاج نہیں بلکہ وہ یہ کہے گا کہ اگر دونوں مقدمے حق ہیں تو بہتر اور اگر تمہارے نزدیک کوئی مقدمہ حق نہیں تو مجھے کوئی نقصان نہیں بلکہ میرا مطلوب اس کے بغیر بھی مکمل ہے۔

منع سے معلل کو نقصان نہ ہونے کی مثال:

معلل اعیان ثابتہ کے حدوث پر یوں دلیل پیش کرے:

"الاعیان الثابتة متغیر و کل متغیر لا یخلو عن الحوادث و کل ما یخلو عن الحوادث فهو حادث"

مثال کی وضاحت:

اعیان ثابتہ کا متغیر ہونا تو ظاہر ہے۔ لیکن ہر متغیر کا محل حوادث ہونا قابل وضاحت ہے اس

کی وضاحت یوں ہے کہ تغیر کا مطلب یہ ہے "ایک چیز کا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال" یہ دوسری حالت حادث ہے، اس لئے کہ یہ پہلے موجود نہیں تھی اب موجود ہوئی ہے، پھر دوسری حالت اس متغیر چیز کے ساتھ قائم ہوگی پہلی حالت سے قائم نہیں ہوگی اسلئے کہ صفت بغیر موصوف کے قائم نہیں ہوسکتی نتیجہ واضح ہے کہ وہ متغیر چیز محل حوادث ہے، کیونکہ جو چیز محل حوادث سے خالی نہ ہو وہ محل حوادث ہے۔ جب اعیان ثابتہ حرکت وسکون سے خالی نہیں تو حادث ہونا واضح ہے۔

عدم خلو کا بیان:

یعنی اعیان ثابتہ کا حرکت وسکون سے خالی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اعیان چیز میں ہونے سے خالی نہیں یعنی اعیان ثابتہ کسی نہ کسی چیز میں ضرور ہوتے ہیں، اب دیکھنا ہے کہ پہلے بھی وہ اعیان اسی چیز میں تھے اور اب بھی اسی چیز میں ہیں تو وہ ساکن ہوں گے، اور اگر پہلے اور چیز میں تھے اور اب اور میں ہیں تو یہ متحرک ہیں۔

مانع اس پر اگر یوں منع پیش کرے کہ:

ہم ان دو قسموں میں انحصار نہیں مانتے بلکہ یہاں ایک تیسری صورت بھی موجود ہے وہ یہ ہے کہ "اعیان پہلے کسی چیز میں نہیں ہوئے بلکہ معدوم ہوتے ہیں، پھر یہ معرض وجود میں آتے ہیں اب اس صورت کے متعلق یہ کہا جائے گا۔ پہلے کسی چیز میں نہیں تھے اب چیز میں آئے ہیں۔

معلل جواب دے گا:

اگر اعیان کا انحصار حرکت وسکون میں مان لو تو درست بات ہے، کیونکہ عدم سے وجود میں آنے کو بھی حرکت کہا جاتا ہے، اور اگر تم نہ مانو تو ہمارا کوئی نقصان نہیں، حدوث پھر بھی ثابت ہے اس لئے کہ عدم سے وجود میں آنا حدوث ہی تو ہے۔

بعض حضرات نے اس کے خلاف کہا ہے:

کہ معلل کا صرف اتنا کہنا کافی نہیں کہ تمہارے اعتراض کے باوجود میرا مدعیٰ ثابت ہے۔ بلکہ یا تو وہ مقدمہ ممنوعہ کو ثابت کرے، یا اپنی دلیل کو بدلے، ان دو طریقوں کے بغیر سائل کا رد

متحقق نہیں ہو سکتا لیکن مختار وہی ہے جو مصنف نے بیان کیا ہے کیونکہ مقصود اصلی اثبات مقدمہ سے یہ ہے کہ مطلوب ثابت ہو جائے۔ جب بغیر اثبات مقدمہ سے مطلوب حاصل ہو جائے تو اثبات مقدمہ کی ضرورت نہیں اسی وجہ سے مصنف نے یہ کہا ہے "ویستحسن توقف المانع الی اتمام المعلل الدلیل" مستحسن یہ ہے کہ سائل منع پیش کرنے والا معلل کی دلیل کے مکمل ہونے کا انتظار کرے" کیونکہ معلل کبھی دلیل کے مکمل ہونے کے بعد کوئی مقدمہ ثابت کر دیتا ہے جس کی وجہ سے سائل کو منع پیش کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

بعض حضرات توقف مانع سے اختلاف کیا ہے:

ان کا کہنا یہ ہے کہ معلل عام طور پر مقدمہ کو ثابت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اسلئے معلل کو چاہئے کہ اس دلیل کو چھوڑ کر وہ اور دلیل پیش کرے تا کہ مناظرہ کی طوالت سے بچ جائے "والأولی لأن الظاهر من حال المعلل الاثبات" لیکن پہلا قول یعنی (مانع توقف کرے) بہتر ہے کیونکہ معلل کا ظاہر حال بتاتا ہے کہ وہ مقدمہ کو ثابت کرتا ہے۔ یعنی مقدمہ کو ثابت کرنے کی مکمل کوشش کرتا ہے۔

دون النقض والمعارضة فان التوقف فيهما واجب بالاتفاق:

سوائے نقض اور معارضہ کے کیونکہ ان میں توقف واجب ہے بالاتفاق۔ اگر (دون النقض والمعارضہ) کا تعلق "ویستحسن" سے ہو جیسا کہ ظاہر ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ مانع کیلئے مستحسن یہ ہے کہ معلل کی دلیل مکمل ہونے تک انتظار کرے، جلدی منع پیش نہ کرے، لیکن نقض اور معارضہ پیش کرنے میں انتظار کرنا صرف مستحسن ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

اگر (دون النقض والمعارضة) کا تعلق اختلاف سے ہو جو ماتن کے قول بخلافہ سے سمجھ آرہا ہے (راقم کے نزدیک بخلافہ سے ہی متعلق کر دینا آسان ہے) تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مانع کے توقف کے مستحسن ہونے میں بعض حضرات نے اختلاف کیا ہے لیکن نقض اور معارضہ کے واجب ہونے میں کسی نے اختلاف نہیں کیا بلکہ ان دونوں میں توقف کے واجب ہونے میں اتفاق ہے۔

نقض میں توقف کیوں واجب ہے:

اسلئے کہ نقض وارد ہوتا ہے دلیل پر، جب تک دلیل مکمل نہ ہو تو اس پر نقض وارد نہیں کیا جا سکتا۔

معارضہ میں توقف کیوں واجب ہے؟

اسلئے کہ معارضہ میں معلل کی دلیل کے مقابلہ میں سائل دلیل لاتا ہے جب تک معلل کی دلیل ختم نہ ہو تو سائل اس کے مقابل دلیل کیسے لائے گا۔

جس حکم میں بدیہی ہونے کا دعوی ہو اس پر نقض میں اختلاف ہے:

بعض حضرات نے کہا ہے کہ جائز ہے اس لئے کہ نقض وارد ہوگا کہ بدلیۃ کے قول کو بمع سند کے منع کیا جائے گا کہ ہم اسے بدیہی نہیں مانتے اس قول کی دارومدار اس پر ہے کہ نقض کو منع کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

وفیہ نظر:

اس قول میں نظر ہے۔ یعنی یہ قول درست نہیں کیونکہ نقض کو منع کی طرف لوٹانا ضروری نہیں بلکہ نقض حقیقی مراد لیا جا سکتا ہے، اسلئے کہ ایک ہے اس کا دعوی اور دوسرا ہے دعوی بدلیۃ، لہذا اس کے دعوی بدلیۃ کو اس کے دعوی پر دلیل مانا جائے گا۔ اور نقض حقیقت میں اس دلیل کی طرف راجع ہوگا، بلکہ اسے افراد معارضہ سے بنانا بھی ممکن ہے کیونکہ وہ دلیل جو نقض ثابت کر رہی ہے وہ معارض ہو گی۔ دعوئ بدلیۃ کے، اسلئے معارضہ کی تعریف سچی ہو جائے گی کہ دلیل کے مقابل دلیل قائم ہو گئی۔ نتیجہ واضح ہو گیا کہ جب دعوئ بدلیۃ پر نقض اپنے اصلی معنی کے لحاظ پر درست ہے تو نقض کو منع کے معنی میں لینا ضروری نہیں، بلکہ نقض کو معارضہ کے معنی میں لینا بھی ضروری نہیں۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ دعوئ بدلیۃ بمنزلہ دلیل کے ہے تو نقض کو منع کے معنی میں لینا اس لئے بھی درست نہیں کہ منع کہا جاتا ہے "مقدمہ معینہ پر طلب دلیل" تو یہاں یہ طلب نہیں پائی گئی۔

اعتراض:

سائل کے سوالات کو تین میں منحصر کرنا درست نہیں، بلکہ وہ کبھی سوال کرتا ہے حل

کا "حل" ان کی اصطلاح میں "غلطی کے مقام کی تعیین" کو کہا جاتا ہے۔

جواب: "حل" کچھ مناسبت کی وجہ سے منع میں داخل ہے کیونکہ حل میں بھی مقدمہ معینہ کا لحاظ کیا جاتا ہے جیسے منع میں، البتہ کچھ فرق بھی ہے، کیونکہ "حل" میں سوء فہم کی وجہ سے غلطی کی جگہ کی تعیین مطلوب ہوتی ہے، طلب دلیل نہیں ہوتی جبکہ منع میں طلب دلیل ہوتی ہے۔

البحث الخامس:

سند صحیح خفاء مقدمہ کی ملزوم ہوتی ہے اور منع کیلئے مقوی ہوتی ہے، اگرچہ یہ ملزومیت وتقویت مانع کے گمان کے مطابق ہوتی ہے نہ کہ واقع کے مطابق۔ "فلا یجوز ان یکون السند الصحیح اعم من المقدمۃ الممنوعۃ مطلقا" یہاں مطلق کا مطلب یہ ہے کہ سند صحیح کا مقدمہ ممنوعہ سے عام ہونا جائز نہیں، یہ بات مطلق ہے، یعنی اعم مطلق ہونا بھی جائز نہیں اور اعم من وجہ ہونا بھی جائز نہیں۔

کبھی کوئی چیز سند کی تقویت وتوضیح کیلئے ذکر کی جاتی ہے دلیل کی صورت میں:

مثلا یوں کہا جائے "لم لا یجوز ان یکون کذلک او کذا" (کیوں نہیں جائز کہ اس طرح ہو، اس لئے کہ وہ اس اس طرح ہے)۔

اس میں بحث مستحسن نہیں:

اس لئے کہ جو چیز سند کیلئے مذکور ہوگی وہ کسی چیز کا فائدہ نہیں دے گی، بحث اس لئے مفید نہیں کہ جو چیز سند کی تائید کر رہی ہو اسے باطل کرنے سے مقدمہ ممنوعہ ثابت نہیں ہوتا حالانکہ معلل کا مقصود وہی ہوتا ہے۔

منع کی سند میں بحث کرنا بھی مستحسن نہیں:

سوائے اس کے جو مستثنیٰ ہے، وہ مستثنیٰ یہ ہے کہ مقدمہ ممنوعہ کی مساوی نقیض کو ثابت کرنے کے بعد باطل کرنا۔

مقدمہ معینہ کے منافی ثابت کرنے کا حکم:

مقدمہ معینہ کے منافی ثابت کرنا سائل کیلئے جائز نہیں، یہ عدم جواز معلل دلیل قائم کرنے

سے پہلے، لیکن معلل کے دلیل قائم کرنے کے بعد جائز ہے۔ یہ مناقضہ بصورت معارضہ ہو گا، مناقضہ اس لئے کہ کلام مقدمہ معینہ پر ہے، معارضہ ہونا واضح ہے اسلئے کہ خصم کی دلیل کے خلاف دلیل قائم کرنا ہی معارضہ ہے۔

بغیر ضرورت کے غصب لازم نہیں آئے گا:

اس لئے کہ مقدمہ معینہ پر منع دلیل قائم کرنے کے بعد جائز نہیں، ہاں البتہ ضرورت کی وجہ سے جواز ہو گا، یہاں تو سائل نے معلل کہ دلیل کے منافی دلیل قائم کر دی، اس لئے منع کی ضرورت نہیں، نقض اور معارضہ میں غصب پایا جاتا ہے۔ نقض میں اثبات تخلف یا لزوم محال ہوتا ہے۔ لیکن معارضہ میں مدعی کے دعوی کے خلاف اثبات ہوتا ہے، یعنی معلل کی دلیل کے بعد اثبات منافی پر نقض و معارضہ مراد ہے۔

سند اخص مطلق ہوتی ہے منع سے:

یعنی منع کے انتفاء سے سند کا انتفاء ہو گا لیکن سند کے منع کا انتفاء نہیں ہو گا۔ مثال کے طور پر مدعی اپنی دلیل میں کہے "ھذا انسان" سائل کہے "لانسلم ذلک لم لا یجوز ان یکون فرسا" ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ کیوں جائز نہیں کہ وہ فرس ہو، اس مثال میں فرس ہونا خاص ہے اور "عدم کونہ انسانا" (ہم انسان نہیں مانتے) عام ہے۔ کیونکہ "علم کونہ انسان" تو فرس کے پائے جانے کے باوجود بھی متحقق ہے، اسلئے کہ یہ حمار پر بھی صادق ہے۔ عکس نہ پائے جانے کہ وجہ یہ ہے کہ عکس میں یا اعم مطلق ہو گا یا من وجہ عام۔ خاص مطلق کی مثال جیسے معلل کہے اپنی دلیل میں "ھذا انسان" سائل کہے ہم یہ نہیں مانتے یہ کیوں جائز نہیں کہ وہ "غیر ضاحک بالفعل" ہو۔ سند "عدم الضحک بالفعل" ہے یہ عام ہے "عدم کونہ انسانا" سے اسلئے کہ جب بھی "عدم انسانیت" پائی جائے گی "عدم الضحک بالفعل" پایا جائے گا، لیکن اس کا عکس نہیں پایا جائے گا۔

اعم اخص من وجہ کی مثال:

جیسے معلل کہے اپنی دلیل میں "ھذا انسان" تو سائل کہے کہ ہم یہ نہیں مانتے یہ کیوں جائز

نہیں کہ ابیض ہو، اس مثال میں سند یعنی ابیض ہونا" انسان نہ ہونے" اور اعم من وجہ ہے، اسلئے کہ یہ بھی ممکن ہے انسان بھی ہو اور ابیض بھی ہو جیسے رومی انسان ہو اور یہ بھی ممکن ہے انسان نہ ہو اور ابیض ہو، جیسے سفید پتھر اور یہ بھی ممکن ہے کہ انسان بھی نہ ہو اور ابیض بھی نہ ہو جیسے ہاتھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ انسان نہ ہو اور ابیض ہو جیسے سفید گھوڑا۔

سند اعم حقیقت میں سند ہی نہیں:

اسلئے کہ وہ منع کو حقیقت میں تقویت نہیں دیتی۔ اگرچہ معنیٰ عموم کی تحقیق کا فائدہ دیتی ہے۔ جب سند اعم حقیقت میں سند ہی نہیں تو اس پر اعتراض کر کے اسے مندفع کرنے کی ضرورت نہیں، ہاں اگر اعم لازم ہو خاص کو تو اس کا ابطال مفید ہوگا کیونکہ بطلان لازم مستلزم ہے بطلان ملزوم کو۔

مساوی: یعنی سند جب منع کے مساوی ہو یعنی دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہو سکیں بلکہ "کلما یوجد السند یوجد المنع" اور اسی طرح کہا جائے گا۔

كلما ينعدم السند ينعدم المنع اى ينعدم انتفاء المقدمة الممنوعة.

البحث السادس:

لا يسمع النقض من غير شاهد " نقض بغیر شاہد کے نہیں سنا جائے گا یعنی ہر شاہد پایا جائے جو معلل کی دلیل کے فساد پر دلالت کرے۔

اعتراض: کبھی دلیل کا فاسد ہونا بدیہی ہوتا ہے، اس پر شاہد کا پایا جانا لازم نہیں ہوتا کس طرح شاہد کا پایا جانا لازم قرار دیا گیا ہے۔

جواب: ہمارا کلام اس دلیل میں ہے جو سنی جائے باعتبار ظاہر کے، لیکن وہ دلیل جس کا فساد بدیہی ہو وہ غیر مسموع ہے، لہذا اس اعتراض سے ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ جب دلیل کا فساد بدیہی ہوگا تو مقدمہ فاسدہ معین ہو جائے گا۔ اس وقت اس پر منع کی تعریف صادق آئے گی وہ نقض نہیں ہوگا، ہمارا مسئلہ تو نقض میں ہے منع میں نہیں۔

مناقضہ بغیر شاہد کے بھی سنا جائے گا:

کیا نقض اور مناقضہ میں کوئی فرق بھی ہے؟ ہاں فرق ثابت ہے۔

نقض اور مناقضہ میں فرق:

ان دونوں میں دو وجہ سے فرق موجود ہے۔

مناقضہ:

سائل جب یہ کہے کہ تمہاری دلیل کا یہ مقدمہ میرے نزدیک ثابت نہیں، میں تم سے اس پر دلیل طلب کرتا ہوں یہ مناقضہ ہے اس پر شاہد اور مقوی کی احتیاج نہیں۔

نقض:

سائل جب یہ کہے کہ تمہاری دلیل باطل ہے اور دعوی بھی، اس کا یہ کہنا نقض ہے یہ بغیر شاہد ومقوی کے قبول نہیں کیا جائے گا۔

(۲) سائل جب مناقضہ پیش کرے کہ تمہاری دلیل کا فلاں مقدمہ معینہ باطل ہے تو معلل کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا جواب دینا ہے وہ متحیر نہیں ہوگا بلکہ اس مقدمہ معینہ کے ثبوت کی کوشش کرے گا اس لئے سائل کو شاہد ومقوی کی ضرورت نہیں۔ اور سائل جب نقض پیش کرے کہ تمہاری دلیل باطل ہے تو معلل اس کا جواب دینے میں متحیر ہوتا ہے کیونکہ اسے علم نہیں ہوتا کہ کس مقدمہ کو وہ باطل کر رہا ہے اور کس کا جواب دینا ہے، اس صورت میں نقض پر شاہد ومقوی کی ضرورت ہوگی تا کہ وہ معلل کو زیادہ متحیر کر سکے۔

دلیل کو جاری کرنا:

غیر مدلول یعنی غیر حکم میں تخلف کہلاتا ہے، وہ اجزاء الدلیل کبھی بعینہ نہیں ہوتا بعینہ جاری نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دلیل مختلف ہو باعتبار حد اوسط کے کہ سائل اس کے مرادف یا ملازم کو اس کی جگہ رکھے۔

کبھی شاہد محتاج ہوتا ہے دلیل یا تنبیہ کا:

یعنی جب فساد دلیل پر شاہد بنایا جائے کہ تمہاری دلیل مقصد پر دلالت نہیں کر رہی وہ شاہد کبھی نظری ہوتا ہے تو اس شاہد پر دلیل قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور کبھی وہ شاہد بدیہی

ہوتا ہے لیکن غیر اولی تو اس پر تنبیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

کبھی طرد وعکس پر اعتراض کو نقض کہا جاتا ہے:

طرد کا معنی یہ ہے "التلازم فی الثبوت بمعنی کل ما صدق علیه الحد صدق علیه المحدود" تلازم فی الثبوت یعنی جب حد پائی جائے تو محدود پایا جائے، عکس کا معنی یہ ہے "التلازم فی الانتفاء بمعنی ان کل مالم یصدق علیه الحد لم یصدق علیه المحدود" انتفاء میں تلازم پایا جائے، یعنی جس پر حد بچی نہ آئے اس پر محدود سچا نہ آئے جب تعریف مانع نہ ہو تو پہلا کلیہ ٹوٹ جائے گا، یعنی طرد نہیں پایا گیا، اور جب تعریف جامع ہوگی تو دوسرا کلیہ ٹوٹ جائے گا کہ عکس نہیں پایا گیا طرد وعکس (مانع اور جامع) نہ پائے جانے کو نقض اجمالی سے مشابہت حاصل ہوگی، یعنی جب یہ کہا جائے یہ تعریف صحیح نہیں کیونکہ یہ مستلزم ہے اس کو کہ اس میں غیر محدود کے افراد میں سے کوئی فرد داخل ہے، یا محدود کے افراد میں سے کوئی فرد اس سے خارج ہے، اس پر مجازی طور پر لفظ نقض کا اطلاق ہوتا ہے۔

دفع الشاہد کی پانچ قسمیں ہیں:

اسلئے کہ شاہد کو مندفع کیا جائے "جریان دلیل کو منع کرنے سے یا مندفع کیا جائے گا، منع التخلف" سے یعنی تخلف حکم عن الدلیل کو منع کرنے سے، یا مندفع کیا جائے گا یہ ظاہر کرنے سے کہ تخلف اس صورت میں مانع کی وجہ سے ہے۔ یا مندفع کیا جائے گا استلزام محال کو منع کرنے سے یعنی یہ کہا جائے گا کہ محال لازم نہیں آتا۔ یا مندفع کیا جائے گا منع الاستحالہ سے یعنی یہ کہا جائے گا کہ، جو چیز لازم آرہی ہے وہ محال نہیں۔

اول کی مثال:

ہمارے نزدیک "خارج من غیر السبیلین ناقض للوضوء" ہے، کیونکہ وہ نجس ہے انسان کے بدن سے خارج ہے، جیسے پیشاب انسان کے بدن سے خارج ہے اور ناقض للوضوء ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے اس پر نقض پیش کیا گیا ہے کہ جو چیز خارج من غیر السبیلین ہو لیکن اس میں سیلان نہ پایا جائے۔ اس پر یہ بات صادق ہے کہ وہ نجس ہے انسان

کے بدن سے خارج ہے جیسے پیشاب'' لیکن اس میں حکم (تمہارے نزدیک بھی) نہیں پایا گیا، حدث ہونے والا'' یعنی وہ حدث نہیں'' ہم اسے مندفع کرتے ہیں جریان دلیل کو مندفع کرنے سے، یعنی ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ یہ نجس خارج ہے، بلکہ یہ نجس بادی (ظاہر) ہے کیونکہ ہر چمڑے کے نیچے رطوبت ہے، جب چمڑا ہوگا تو رطوبت ظاہر ہوگی۔

دوسرے کی مثال:

جسے ہم تخلف سے مندفع کرے ہیں۔ اسی مثال مذکور میں ہم یہ کہتے ہیں یہ خون جس میں سیلان نہیں پایا گیا، یہ نجس نہیں۔ کیونکہ صرف ظاہر ہونے والے خون کی جگہ کو دھونا لازم نہیں آتا، لہذا انعدام حکم (یعنی ناقض وضو نہ ہونا) بوجہ انعدام علت کے ہے، نہ کہ انعدام حکم بوجہ وجود علت کے ہے۔

تیسرے کی مثال:

جب اسی تعلیل مذکور پر یہ اعتراض وارد ہو، کہ ایک شخص کے زخم سے خون ہمیشہ جاری ہو تو وہ نجس ہے جو کہ انسان کے بدن سے خارج ہے، حالانکہ وہ حدث نہیں کیونکہ اس سے طہارت نہیں ٹوٹتی جب تک وقت باقی ہو، ہم اسے مندفع کریں گے اظہار سے یعنی تخلف اس صورت میں مانع ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں یہ حکم مطلوب دلیل سے متخلف نہیں بلکہ موجود ہے، لیکن فی الحال یہ حکم ظاہر نہیں بوجہ مانع کے پائے جانے کے ورنہ مکلف اداء عبادت پر قادر ہی نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے وقت کے نکلنے کے بعد طہارت اسی حدث سے لازم آئے گی نہ کہ خروج وقت سے، کیونکہ خروج وقت کے حدث نہ ہونے پر اجماع ہے نتیجہ یہ واضح ہوا کہ حکم یعنی حدث کا موجب وضوء ہونا مطلقا لازم ہے، یہ نہیں کہ فی الحال هی موجب وضوء ہو باوجود مانع کے پائے جانے کے۔

چوتھے کی مثال:

یعنی دفع شاہد استلزام محال کے منع سے، مثلا مدعی کہے کہ حقیقت انسان موجود ہے، اس لئے کہ یہ شئی ہے اور حقائق الاشیاء موجود ہیں اس پر اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر حقائق سے

حقیقت کا موجود ہونا مانا جائے تو محال لازم آئے گا، اس لئے کہ اگر حقیقت موجود ہو تو پھر دیکھیں گے کہ اس کا وجود موجود ہے یا نہیں۔ اگر موجود نہ ہو تو بغیر وجود کے حقیقت کیسے موجود ہو گی؟ اور اگر اس کا وجود موجود ہو تو پھر اس وجود میں کلام ہو گی یا اس کی احتیاج ہو گی اس وجود پر جس کا وجود نہیں ہو گا، یا یہ سلسلہ لا الی نھایۃ چلتا رہے گا، دونوں صورتیں محال ہیں اس کو ہم اس طرح مندفع کریں گے کہ ہم یہ تسلیم کرتے کہ اس میں محال لازم آرہا ہے۔ محال اس وقت لازم آرہا ہے جب حقیقت وجود یہ ہو یعنی غیر اعتباریہ ہو، ہم یہ تسلیم نہیں کرتے، اگر تسلیم کرلیں تو اس کا وجود عین ہو گا، غیر نہیں کہ ہم اس وجود میں کلام چلائیں۔

پانچویں کی مثال:

یعنی اندفاع منع استحالہ کی مثال، جیسے ہم کہیں زید اور عمرو وغیرہ کا فعل اللہ تعالی کی تخلیق سے ہے کیونکہ یہ بندے کا فعل ہے، اور افعال عباد اللہ تعالی کی تخلیق سے ہیں، اس پر معتزلہ کی جانب سے نقض پیش کیا جاتا ہے زنا سے، یعنی معتزلی کہتا ہے کہ زنا بندے کا فعل ہے لیکن اللہ تعالی کی مخلوق نہیں۔ اس لئے کہ یہ قبیح ہے، خلق قبیح قبیح ہے کیونکہ اللہ تعالی کا اس سے متصف ہونا محال ہے۔ ہم اس کو مندفع کرتے ہیں کہ خلق زنا کا قبیح ہونا اور محال منع ہے، اس لئے کہ قبیح اور محال بندوں کے افعال بد ہیں، خلق قبیح قبیح نہیں، ان دونوں یعنی کسب قبیح کے قبیح ہونے اور خلق قبیح کے قبیح نہ ہونے میں بہت بڑا فرق ہے۔

البحث السابع

مسائل کا مدلول کی نفی کرنا" چند وجوہ پر ہے۔

- نفی مدلول بغیر دلیل کے مکابرہ ہے، اسے نہ سنا جائے، نفی مدلول عام ہے خواہ معلل کے دلیل قائم کرنے سے پہلے ہو یا بعد میں ہو، جب مدلول کی عدم صحت بغیر دلیل کے سائل بیان کرے تو اسے مکابرہ کہا جائے گا، اسے نہیں سنا جائے گا
- مدعی کے دلیل قائم کرنے سے پہلے سائل مدلول کی نفی کردے اور نفی پر دلیل بھی قائم کردے تو اسے غصب کہا جائے گا، محققین کے نزدیک غصب کو بھی نہیں سنا جائے گا۔ خیال

رہے کہ مدعی کے دلیل قائم کرنے سے پہلے اس کے دعوی کو مدلول کہنا مجاز ہے۔ باعتبار مایول الیہ کے یا اس لئے مدلول کہہ لیا گیا کہ اس کی شان یہ ہے کہ اس پر دلیل قائم کی جائے، یا اس لئے مدلول کہہ لیا گیا کہ آگے آنے والی وجہ کے مناسب ہو جائے، وہ ہے "بعد اقامۃ الدلیل" دلیل کے قائم کرنے کے بعد جب یقیناً مدلول ہوتا ہے تو اسی مناسبت کی وجہ سے اقامت دلیل سے پہلے والی حالت کو بھی مدلول کہہ لیا گیا۔

۞ معلل کے اپنے دعوی پر دلیل قائم کرنے کے بعد، سائل مدلول کی نفی کرے تو یہ معارضہ ہے۔

اعتراض: معارضہ صرف معلل کے مدلول کی نفی کرنا تو نہیں بلکہ معارضہ میں معلل کی دلیل کے مقابل دلیل قائم کی جاتی ہے، یہاں سائل کے دلیل قائم کرنے کا جب ذکر نہیں تو معارضہ کس طرح ہوگا۔

جواب: دوسری وجہ جو بیان کی گئی ہے اس میں "اقامۃ الدلیل" ذکر کر دیا گیا، اسی سے یہاں بھی پتہ چل گیا کہ سائل بھی دلیل پیش کرے گا۔

تسلیم دلیل خصم کیا معارضہ میں شرط ہے یا نہیں؟

یعنی اس کی دلیل کے در پے نہ ہو نہ نفی سے نہ اثبات سے یہ صورت ہے شرط تسلیم کی، یا یہ شرط نہ ہو۔ شرط ہونے والی صورت زیادہ مشہور ہے۔ اور شرط نہ ہونے والی صورت زیادہ ظاہر ہے۔ اس لئے کہ تسلیم دلیل معلل مستلزم ہوگی تصدیق مدلول معلل کو باعتبار ظاہر کے اس میں دو متنافی چیزوں کی تصدیق لازم آئے گی، ادھر تصدیق مدلول پائی جائے گی اور ادھر نفی مدلول پائی جائے گی۔

ہاں البتہ اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ تسلیم سے مراد یہ ہے کہ مدعی کی دلیل کی اس کے دعوی دلالت کو تسلیم کرنا شرط ہو، تسلیم دعوی مراد نہ ہو کہ اجتماع متنافیین پایا جائے لیکن عدم اشراط پر سائل کے اعتراض منحصر ہو جائیں گے منع اور نقض میں، لیکن جب یہ شرط نہ پائی جائے تو انحصار لازم نہیں آئے گا کیونکہ اس صورت میں جائز ہے کہ معارضہ مع تسلیم دعوی پایا جائے لیکن البتہ اگر انحصار مقصود ہو تو یوں کہہ لیا جائے گا کہ معارضہ للغیر جو مقرون مع التسلیم ہو وہ نقض میں مندرج

ہو جائے گا، اس لحاظ پر دو ہی چیزیں پائی جائیں گی "منع اور نقض"

تنبیہ:

عدم اشتراط تسلیم دعوی کی وجہ سے بعض حضرات نے تقریر معارضہ کو مطلقاً لازم قرار دیا ہے خواہ معارضہ پایا جائے جس میں مناقضہ دلیل معلل کیلئے بھی پایا جائے۔ خواہ معارضہ خالصہ بطریق نقض پایا جائے، مثلاً یوں کہا جائے "اگر تمہاری دلیل جمیع مقدمات سے صحیح ہو تو نہیں سچا آئے گا جو مدلول کے منافی ہے لیکن میرے نزدیک دلیل صدق منافی پر دلالت کرتی ہے۔

المعارضة فيها النقض:

جب معارضہ قطعی دلائل میں پایا جائے خواہ وہ دلائل عقلیہ ہوں یا نقلیہ یقینیہ ہوں تو وہ معارضہ نقض کی طرف راجع ہوگا اسلئے کہ نفس الامر میں دو قطعی متنافی دلیلوں کا اجتماع منع ہوتا ہے اس کا نام معارضہ فیھا النقض ہوتا ہے معارضہ فیھا النقض نام رکھا جاتا ہے لیکن نقض فیھا المعارضة نام نہیں رکھا جاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ۔ معارضہ صراحۃ پایا جاتا ہے اور نقض ضمنا پایا جاتا ہے۔ ضمنیات کا عام طور پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ ہاں البتہ کبھی کبھی ضمنیات کا اعتبار بھی کر لیا جاتا ہے۔

دلائل نقلیہ ظنیہ میں معارضہ پایا جاتا ہے لیکن نقض کی طرف نہیں لوٹتا:

جیسے قیاس فقہی، یعنی جائز ہے کہ دو قیاسوں میں سے ایک قیاس نفس الأمر میں خطاء ہو، اور اس کے معارض قیاس صحیح و صواب ہو۔ اس میں قول نقض کی طرف لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے:

معارضہ فیھا النقض اور معارضہ بالقلب دونوں ماہیت و حقیقت میں متشارک ہوتے ہیں۔ البتہ دونوں میں اعتباری تغایر ہوتا ہے جب یہ لحاظ کیا جائے کہ مستدل کی دلیل جو "شاهدله" (اس کے حق میں شاہد) تھی وہ منقلب ہو کر "شاهد عليه" اس کے خلاف شاہد بن گئی، اس لحاظ پر نام "قلب" ہوگا، اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ یہ معنی نقض کو متضمن ہے تو اسے "معارضة فيها النقض" کہا جائے گا۔

تتمہ:

یعنی یہ بحث سابق کا تتمہ ہے۔

معارضہ کی چار قسموں میں بعض حضرات نے جواز میں تردد کیا ہے:

کیا یہ جائز ہے یا نا جائز ہے، وہ چار قسمیں یہ ہیں۔

(۱) المعارضة علی المعارضة (۲) المعارضة بالبداهة

(۳) الدلیل علی البدیهی (۴) البدیهی الیمین بالدلیل.

پہلی قسم معارضۃ علی المعارضۃ:

کا مطلب یہ ہے کہ مدعی حکم بیان کرے اور ساتھ حکم کی بداہت کا دعوی کرے اور معارض یہ کہے کہ بداہت عقل کا تقاضا تمہارے دعوی بداہت کے خلاف ہے، یعنی بدیہی نہیں اس کا نام معارضہ رکھا گیا حالانکہ مدعی نے اس میں کوئی دلیل نہیں پیش کی جبکہ معارضہ میں دلیل کا پایا جانا ضروری ہے لیکن مدعی کے دعوی بداہت کو دلیل کا قائم مقام سمجھا جائے گا۔ گویا کہ مدعی نے یہ کہا "هذا الحکم ثابت لأنه بدیهی" اور معارض یہ کہے "نقیض هذا الحکم ثابت" لأن نقیضه بدیهی.

دوسری قسم معارضۃ بالبداهۃ:

مثال کے طور پر "مدعی یہ کہے "هذا الحکم بدیهی لأنه من المحسوسات، سائل یعنی معارض کہے " خلاف هذا الحکم ثابت بالبداهة" اس صورت میں خصم کا دعوی بداہت دلیل کے قائم مقام ہے۔

تیسری قسم معارضہ بالدلیل:

یعنی جب مدعی دعوی کرے اور اس دعوی کی بداہت پر دلیل کا دعوی کرے یعنی مدعی کہے "هذا الحکم بدیهی " سائل کہے ہمارے پاس دلیل موجود ہے جو اس کے خلاف دلالت کرتی ہے اور وہ دلیل پیش کردے۔

چوتھی قسم معارضۃ بالدلیل علی الدلیل:

مدعی دعوی کرے کہ یہ حکم بدیہی ہے اور وہ بداہت پر دلیل قائم کرے اور اس کے خلاف حکم ثابت کرنے پر دلیل قائم کردے، مدعی کہے "هذا الحکم بدیهی لأنه من المشاهدات" سائل کہے "ان الدلیل یدل علی خلاف هذا الحکم"

بعض حضرات نے ان چار صورتوں کو ناجائز کہا ہے:

پہلی صورت اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں نفع نہیں، اس لئے کہ جب مدعی اپنے مطلوب پر کثیر دلائل قائم کرے اور خصم اس کی نقیض پر ایک دلیل قائم کردے، تو وہ تمام دلائل اس ایک دلیل سے ساقط ہو جائیں گے، طرفین سے کوئی چیز بھی ثابت نہیں ہوگی دوسری صورت اس لئے جائز نہیں کہ جانبین سے کسی چیز میں کوئی دلیل نہیں پائی گئی تیسری صورت اس لئے جائز نہیں کہ مدعی نے جو دلیل قائم کی وہ دلیل دعوی بداہت پر ہے حکم پر نہیں۔ چوتھی صورت اس لئے جائز نہیں کہ مدعی کی جانب سے کوئی دلیل ہی نہیں۔

والحق جوازہ:

حق یہ ہے کہ جائز ہے، اس لئے کہ جب بدیہی پر معارضہ پیش کیا جائے برہان سے وہ برہان اعتبار کا زیادہ حق رکھے گا کہ اس کا اعتبار کیا جائے۔ جیسا کہ دلیل نقلی پر دلیل عقلی سے معارضہ پیش کیا جائے تو وہ دلیل قبول کرنے میں زیادہ حق ہوتا ہے۔ ہاں اگر دلیل نقلی یقین کا فائدہ دے یعنی وہ محکم ہو قرآن یا حدیث متواتر سے تو اس وقت دلیل عقلی کا اعتبار نہیں کیا جائے۔

تبصرہ:

خلاف مدلول کی تین صورتیں ہیں۔ یعنی معارضہ کے مفہوم میں خلاف مدلول شامل ہوگا نقیض کو، یا "اخص من النقیض" کو یا مساوی نقیض کو۔

نقیض کی مثال:

حکیم دلیل پیش کرے اس پر کہ "العالم قدیم" اور متکلم اس کے معارض دلیل پیش

کرے "العالم لیس بقدیم"

اخص من النقیض کی مثال:

امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے اس پر دلیل پیش کی جائے "ان الترتیب فی الوضوء فرض" اور حنفی اس کے معارض اس پر دلیل پیش کرے کہ "ان الترتیب فی الوضوء سنة"

مساوی نقیض کی مثال:

حکیم دلیل پیش کرے اس پر کہ "ان الجسم مرکب من الهیولی والصورة" متکلم اس کے معارض دلیل پیش کرے اس پر کہ "ان الجسم مرکب من الاجزاء التی لاتتجزی"

البحث الثامن:

کبھی دلیل کے مقدمہ معینہ پر نقض پیش کیا جاتا ہے، یعنی دلیل کو فاسد بنایا جائے اور کبھی اس کے معارض دلیل قائم کی جاتی ہے۔ مقدمہ معینہ پر معلل کے دلیل قائم کرنے کے بعد نقض اور معارضہ پیش کرنے کو "مناقضه علی سبیل المعارضة" یاعلی سبیل النقض بصورة المنع، کہا جاتا ہے مناقضہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ منع کا معنی اس میں پایا گیا ہے بنسبت دلیل کے مقدمہ کے۔

منع کی بجائے نام مناقضہ رکھنا چاہیے:

یعنی بعض حضرات نے کہا کہ منع تو طلب دلیل کو کہا جاتا ہے یہاں طلب نہیں، بلکہ سائل کا مقصود افساد دلیل یا اثبات خلاف مقدمہ ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کا نام مناقضہ رکھا جائے کیونکہ یہ اس کے مشارک ہے اس میں کہ ہر ایک مقدمہ پر کلام ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ منع کی مشہور تعریف یہ ہے کہ معلل کی دلیل کے مقدمہ معینہ کے خلاف دلیل قائم کی جائے لیکن کبھی دلیل پیش کرنے سے پہلے لزوم فساد کا علم حاصل ہو جائے تو اسے بھی منع کہہ لیا جاتا ہے اگرچہ یہ مشہور نہیں۔

اعتراض : اگر مقدمہ پر نقض پیش کیا جائے یا معارضہ اس پر پیش کیا جائے دلیل قائم کرنے

سے پہلے تو بغیر ضرورت داعیہ سے غصب لازم آئے گا، لیکن منع سائل کی وسعت میں ہے۔ اسلئے ضرورت ہے کہ بصورت منع ہی پیش کیا جائے تا کہ غصب لازم نہ آئے بغیر ضرورت کے۔

جواب: "مناقضہ علی سبیل المعارضہ یا علی سبیل النقض " بصورت منع مناسب نہیں، کیونکہ اس وقت مادہ سند متحقق ہوگا، تو منع نقض کی طرف لوٹے گا منع حقیقت میں منع ہی نہیں رہے گا جو سائل کی وسعت میں نہیں ہوگا، لہذا بغیر ضرورت کے غصب لازم نہیں آئے گا۔

البحث التاسع:

جب مستدل دلیل پیش کرے دوسرے کو شک ڈالنے کیلئے اور غلطی میں ڈالنے کیلئے تو اس پر نقض اور معارضہ پیش کرنا اچھا نہیں۔ اس لئے کہ وہ حقیقت میں دعوی نہیں کر رہا، بلکہ اس کی غرض تو شک ڈالنا ہے مخاطب کے ذہن میں، وہ شک ڈالنے والی صورت تو نقض اور معارضہ کے بعد بھی جاری رہتی ہے، لہذا ان دونوں کا کوئی نفع نہیں، جو چیز نفع نہ دے اس کا ذکر کرنا اچھا نہیں۔

ہاں اس صورت میں مناقضہ کا ذکر کرنا مستحسن ہے:

جب غرض اس سے اس مقدمہ کا ظہور ہے، اور اس سے ابطال غرض لازم نہیں آئے گی کہ مناقضہ بقاء غرض کے منافی ہو۔

اعتراض: مناظرہ کی تعریف کی گئی "توجه المتخاصمين فى النسبة بين الشيئين اظهارا للصواب" اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ دونوں مناظرہ اظہار صواب کیلئے مناظرہ کریں، یہاں مناقضہ کی جو صورت بیان کی گئی ہے اس میں تو ایک طرف سے اظہار صواب ہے، دونوں طرف سے نہیں، تو مناظرہ کس طرح صحیح ہوگا اور مقاصد میں اس کا ذکر کیسے صحیح ہے؟

جواب اول:

مناظرہ میں قصداً اظہار صواب ایک جانب سے کافی ہے اسلئے اسے مقاصد کی بحث میں ذکر کرنا صحیح ہے۔

جواب دوم:

اگر مناظرہ میں دونوں جانبوں سے اظہار صواب مقصود ہو تو پھر یہ بحث مقاصد میں داخل نہیں ہوگی بلکہ مقاصد کے بالتبع مذکور ہوگی۔

جب تینوں منع پیش کیے جا سکیں:

تو ان میں سے منع کا تقدیم میں زیادہ حق ہوگا، تین منع سے مراد مناقضہ، نقض اور معارضہ ہیں، اصل میں سائل کا حق یہ ہوتا ہے کہ معلل سے بات پوچھے، معلل کی دلیل کو فاسد کرنے کے در پے نہ ہو، نہ صراحۃً اور نہ ہی ضمناً۔ منع کی تقدیم کی وجہ یہ بھی ہے کہ منع میں جزء دلیل یعنی مقدمہ معینہ پر اعتراض ہوتا ہے وہ جزء مقدم ہوتی ہے دلیل کے مقدم ہونے پر، لہٰذا اعتراض بھی جزء پر مقدم ہوگا بنسبت کل پر اعتراض کرنے کے۔

معارضہ کو سب سے آخر میں بیان کرنا زیادہ حق ہے:

اسلئے کہ معارضہ میں صحت دلیل میں عیب ضمناً حاصل ہوتا ہے بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ نقض مناقضہ سے مقدم ہوتا ہے کیونکہ نقض زیادہ قوی ہوتا ہے مناقضہ سے کیونکہ نقض میں صحت دلیل میں عیب پایا جاتا ہے بخلاف مناقضہ کے، اس لئے یہ دونوں یعنی نقض اور مناقضہ معارضہ سے پہلے پائے جاتے ہیں۔

فائدہ: مصنف سے منقول ہے کہ معارضہ اقوی ہے نقض سے از روئے نفی کے، کیونکہ معارضہ میں اصل نفی مدلول ہے، اور اس سے نفی دلیل بھی لازم آتی ہے، کیونکہ دلیل ملزوم مدلول ہے۔ قانون یہ ہے کہ نفی لازم مستلزم ہے نفی ملزوم کو بالبداھۃ، بخلاف نقض کے اس میں نفی دلیل ہوتی ہے۔ اس سے نفی مدلول لازم نہیں۔ کیونکہ ملزوم مستلزم نہیں نفی لازم کو۔

اعتراض: کبھی لازم اور ملزوم میں مساوات پائی جاتی ہے وہاں نفی ملزوم ہوتی ہے نفی لازم کو یہ کہنا درست نہیں کہ نفی ملزوم مستلزم نہیں نفی لازم کو۔

جواب: جہاں مساوات ہوگی وہاں اگرچہ بظاہر یہ سمجھ آرہا ہوگا کہ اس مقام میں نفی ملزوم مستلزم ہے نفی لازم کو، لیکن حقیقت میں وہاں بھی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا اور یہی کہا جائے گا کہ نفی لازم بحیثیت نفی لازم کے ہی ہے نہ کہ بحیثیت نفی ملزوم کے۔

تکملۃ:

یعنی یہ بحث پہلی نو بحثوں کی تکمیل کیلئے ہے۔